هٰذا بلاغ للناس

ماہنامہ کراچی

البلاغ

زیر سرپرستی:

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم
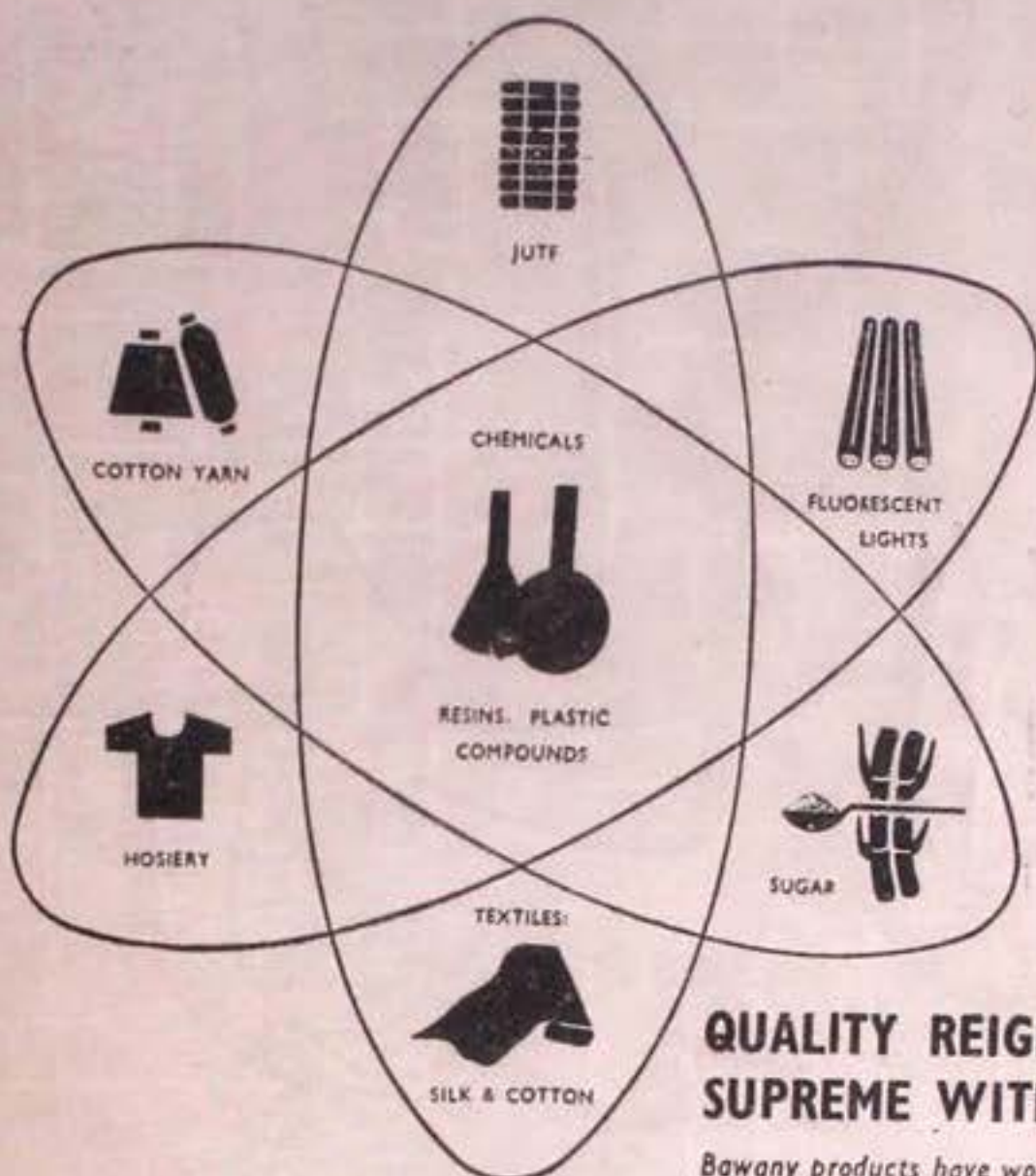
JUTE
COTTON YARN
CHEMICALS
FLUORESCENT LIGHTS
RESINS. PLASTIC COMPOUNDS
HOSIERY
SUGAR
TEXTILES:
SILK & COTTON
QUALITY REIGNS SUPREME WITH US
Bawany products have won a standing in overseas market

جلد ۲
شمارہ ۵

جمادی الاول ۱۳۸۸ھ
اگست ۱۹۶۸ء

مدیر اعلیٰ
محمد تقی عثمانی

مدیر انتظامی
خلیل الرحمٰن نعمانی مظاہری

فی پرچہ: ۵۶ پیسے • سالانہ: ۶ روپے • غیر ممالک سے: ۱ پونڈ سالانہ • ہوائی ڈاک سے: ۲ پونڈ سالانہ

ڈاک کا پتہ: ماہنامہ "البلاغ" - دارالعلوم - کراچی ۱۴ - فون: ۴۸۱۱۷

ہندوستانی خریدار مندرجہ ذیل پتہ پر چندہ ارسال فرما کر ڈاکخانے کی رسید ہمیں بھیج دیں - رسالہ ان کے نام جاری کر دیا جائیگا:
مولانا ظہور الحسن صاحب - خانقاہ امدادیہ - تھانہ بھون - ضلع مظفر نگر - (یوپی)

ترتیب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

ترکی جاگ رہا ہے

حمد و ستائش اس ذات کے لئے ہے جس نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا

اور

درود و سلام اس کے آخری پیغمبر پر جنھوں نے اس جہان میں حق کا بول بالا کیا

حال ہی میں امریکہ کے ایک معروف جریدہ "کرسچین سائنس مانیٹر" میں ایک یہودی نامہ نگار سام کوھن (مقیم ترکی) کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس کا متن پاکستان کے بعض انگریزی اخبارات و رسائل نے بھی نقل کیا ہے، یہ مضمون چونکہ پورے عالم اسلام کو مختلف حیثیتوں سے دعوت فکر دیتا ہے، اس لئے ہم آج کی صحبت میں پہلے اس مضمون کا ترجمہ اور پھر کچھ اپنی گذارشات پیش کریں گے۔

اس مضمون کا عنوان ہے:

ترکی میں اسلام کا احیاء

تجدد پسندوں کو خطرہ

اس عنوان کے تحت سام کوھن لکھتا ہے کہ:

" ترکی کے بہت سے باشندے آجکل احیاء اسلام کی روزافزوں مہم سے پیدا ہونے والے ممکنہ نتائج کے بارے میں بڑی سنجیدگی سے غور و فکر کر رہے ہیں، وہ اس بات سے پریشان ہیں کہ یہ تحریک کہیں ترکی کو دو کیمپوں میں تقسیم کر کے ملک کے استحکام اور پارلیمانی جمہوریت کیلئے خطرہ نہ بن جائے۔ تجدد پسند اور آزاد خیال (Liberal) حلقے یہ محسوس کر رہے ہیں کہ جمہوریۂ ترکیہ کے بانی کمال اتاترک نے چالیس سال پہلے ترکی معاشرے کو جن لادینی بنیادوں پر کھڑا کیا تھا، آج کی یہ اسلامی مہم اُن کے لئے ایک خطرہ ہے، لیکن سلیمان ڈیمرل کی رجعت پسند حکومت اور ان کی حکمران جماعت (جسٹس پارٹی) کسی خطرے کے وجود ہی سے انکار کر رہی ہے۔

جبتک ترکی میں کمال اتاترک کا راج اور ایک جماعتی نظام جاری تھا اس وقت تک اسلامی تعصب (Fanaticism) کی اس تحریک کو زبان کھولنے کا کوئی موقعہ نہ مل سکا، لیکن جب ۱۹۵۰ء میں پارلیمانی جمہوریت مکمل طور سے بحال ہوئی تو رجعت پسندی کے رجحانات سطح پر آگئے۔

اس وقت ملک پر عدنان مندریس کی ڈیموکریٹک پارٹی برسراقتدار تھی جس نے رجعت پسند دیہاتی اکثریت سے ووٹ اور حمایت حاصل کرنے کے لئے "مذہبی تعصب" کو گوارا کر لیا۔ لیکن ۱۹۶۰ء کے فوجی انقلاب نے عدنان مندریس کی

پارٹی کا تختہ الٹ دیا۔ اور ایک سال بعد عدنان مندریس کو پھانسی پر لٹکا دیا۔ اب جو جماعت (جسٹس پارٹی) ترکی میں برسرِ اقتدار ہے اسے عام طور سے (عدنان مندریس کی) ڈیموکریٹک پارٹی کا قدرتی وارث سمجھا جاتا ہے، اور آج اس پر بھی یہ الزام ہے کہ وہ بھی اسی (عدنان مندریس کی قائم کی ہوئی) راہ پر گامزن ہے۔

اتا ترک کی اصلاحات پر حملے

واقعہ یہ ہے کہ جو لوگ ترکی میں احیاء اسلام کی وکالت کر رہے ہیں ان کے حوصلے موجودہ حکومت کے روادارانہ طرزِ عمل سے بہت بڑھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ بہت سی مسجدوں کے امام (مسلمان پادری) اپنی تقریروں میں اتا ترک کی اصلاحات پر حملے کرنے لگے ہیں، بعض لوگوں نے تو کھلم کھلا شریعت (اسلامی قوانین) کو دوبارہ نافذ کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ اور دوسرے بہت سے لوگوں نے منی اسکرٹ کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے عورتوں پر زور دیا ہے کہ وہ اپنے بدن اور اپنے سروں کو "خوب اچھی طرح" ڈھانک کر رکھیں۔

اس ملک میں جابجا اتا ترک کے جو مجسمے اور تصویریں نصب ہیں ان کے خلاف بھی آوازیں اٹھنے کی متعدد خبریں ملی ہیں۔

حالیہ چند مہینوں میں بہت سے رجعت پسند اخبارات اور رسائل کیڑوں مکوڑوں (mushrooms) کی طرح اچانک میدان میں آدھمکے ہیں، اور ان میں سے بعض نے علی الاعلان دوبارہ مذہبی حکومت کی طرف لوٹنے کا مطالبہ کیا ہے۔

ملک میں بہت سی کٹر مذہبی تنظیموں کی سرگرمیاں بھی بڑھ رہی ہیں، یہ تنظیمیں ایسے پمفلٹ اور اشتہار تقسیم کرتی ہیں جن میں موجودہ دستور کو بدلنے اور منجملہ اور ترمیمات کے خاص طور سے "خلافت" کو بحال کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے (خلافت ملک کے روحانی قائد کا وہ عہدہ تھا جسے ۱۹۲۴ء میں ختم کیا گیا تھا) ان تنظیموں کے بارے میں عموماً یہ سمجھا جا رہا ہے کہ وہ ہمسایہ عرب ملکوں کی اخوان المسلمین جیسی جماعتوں کی شہ پر قائم ہوئی ہیں۔

بہت سے دیہات میں مسلمان اساتذہ (جنھیں یہاں "خوجہ" کہتے ہیں) بڑی سرگرمی کے ساتھ حکومت کے لادینی اسکولوں کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ اصل شکل یہ ہے کہ تمام چھوٹے علاقوں میں سرکاری اسکولوں کی تعداد اتنی کم ہے کہ وہ وہاں کی ضروریات کے لئے کافی نہیں، اور اس طرح ان مذہبی دیوانوں کو اپنے لئے راستہ کھلا مل گیا ہے۔ اور بہت سے بچے انہی "خوجوں" کے قائم کئے ہوئے اسکولوں کا رُخ کر رہے ہیں۔

اس مہینے کے شروع کی بات ہے کہ انقرہ یونیورسٹی کے شعبۂ اسلامیات میں ایک لڑکی نے کلاس میں دوپٹہ سر پر اوڑھنے پر شدید اصرار کیا تو اسے کلاس سے نکال دیا گیا تھا، اس واقعہ پر طلباء نے ہڑتال شروع کر دی، ان کا مطالبہ یہ تھا کہ فیکلٹی کا "ڈین" مستعفی ہو جائے، انھوں نے اسے "طلباء کا دشمن" بھی قرار دیا۔ یہ واقعہ عرصہ تک بہت سے ترکی اخباروں کا موضوعِ گفتگو بنا رہا، اور اب جسٹس پارٹی کے بعض ارکان نے لڑکی کی حمایت کرنے کے لئے اس مسئلے کو پارلیمنٹ میں بھی اٹھایا ہے۔

سبز جھنڈے لہراتے ہیں

کئی تنظیمیں ایسی بھی ہیں جو اپنے آپ کو "نیشنلسٹ" اور "روایت پرست" کہتی ہیں، انھوں نے کمیونزم اور ملک پر بائیں بازو کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کے خلاف احتجاج کرنے کے بہانے عوامی مظاہرے بھی شروع کر دیئے ہیں، انقرہ اور استنبول میں جو مظاہرے ہوئے ان میں ان لوگوں نے سبز پرچم ہاتھ میں لیکر مارچ کیا (سبز پرچم مسلمانوں کے رنگ کی نمائندگی کرتا ہے) اور یہ نعرے لگائے کہ: "ترکی میں اسلام ہی سربلند ہوگا"

ان مظاہروں کا رخ کمیونزم سے زیادہ لادینیت اور تجدد پسندی کے خلاف تھا۔

اس کے علاوہ اس مہینے کے شروع میں بورسہ شہر کے اندر دائیں بازو کی مختلف تنظیموں کی طرف سے جو کانفرنس منعقد ہوئی اس نے بھی اتاترک کی اصلاحات اور ۱۹۶۰ء کے انقلاب کے خلاف اپنے جذبات کا اظہار کیا!"

(Reproduced by "Yaqeen" July 7, 1968)

مسٹر سام کوھن کے اس مضمون کو ہم نے اس لئے بعینہٖ نقل کر دیا ہے کہ یہ عالم اسلام کے ارباب فکر کے لئے اپنے دامن میں عبرت و موعظت اور فکر و نظر کے بہت سے پہلو رکھتا ہے۔ اس سے نہ صرف یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ ترک عوام کے اصل جذبات کیا ہیں؟ بلکہ یہ بات بھی پوری طرح واشگاف ہو جاتی ہے کہ عالم اسلام کی وہ کونسی تحریکیں ہیں جن کی پیٹھ مغرب اور پوری دشمن اسلام دنیا تھپکتی رہتی ہے۔ اور وہ کون لوگ ہیں جو اس کی نظر میں کانٹے کی طرح کھٹکتے ہیں

ہم ذیل میں اس مضمون کے بارے میں بعض ضروری گذارشات مختصراً پیش کرتے ہیں۔

بیسویں صدی کی ابتدا میں پورے عالم اسلام کو مغربی افکار و نظریات کے جس سیلاب کا مقابلہ کرنا پڑا، اس کے آگے بظاہر سب سے پہلے ہتھیار ڈالدینے والا ملک ترکی تھا، خلافت عثمانیہ اس سیلاب کے مقابلے کے لئے آخری بند کا کام دے رہی تھی، چنانچہ اسی کو مغرب کی دراز دستیوں کا سب سے پہلا نشانہ بننا پڑا، اور جب خلافت کے نظام کو تہس نہس کر کے مصطفےٰ کمال پاشا اور اس کی جماعت برسر اقتدار آئی تو اس نے پورے جبر و استبداد کے ساتھ ترکوں کے دینی شعور اور اسلامی جذبہ کو کچلنے کی کوشش کی۔ شرعی اداروں اور محکموں سے اسلامی قانون کو دیس نکالا دے کر سوئٹزرلینڈ سے دیوانی اور اٹلی سے فوجداری قانون درآمد کیا، دینی تعلیم کو ممنوع کر دیا گیا، پردہ کو خلاف قانون قرار دیدیا، مخلوط تعلیم شروع کر دی، عربی حروف کی جگہ لاطینی رسم الخط جاری کیا، عربی میں اذان کو ممنوع قرار دیدیا۔ غرض یہ کہ اپنا سارا زور اس بات پر صرف کر دیا کہ ترک عوام سر سے لیکر پاؤں تک مغرب کی "نقل مطابق اصل" بن کر رہ جائیں۔ انتہا یہ ہے کہ عوام کے سروں سے ترکی ٹوپی اتروا کر انھیں ہیٹ پہنانے کے خبط نے نہ جانے کتنے بے گناہوں کو تختۂ دار پر لٹکایا، اور اس انگریزی ٹوپی کی خاطر نہ جانے کتنے طویل عرصے تک ترکی کے کوچہ و بازار میدان جنگ بنے رہے۔

کمال اتاترک کا خیال غالباً یہ تھا کہ انگریزی ٹوپی کے ذریعہ ترکوں کے سروں میں انگریزی دماغ بھی منتقل ہو جائیگا اور جس جبر و استبداد کے ساتھ اسلامی شعور کو کچلنے کی کوششیں جاری تھیں، ان کے پیش نظر اس کا یہ خیال بے بنیاد بھی نہ تھا، لیکن شاید اسے یہ معلوم نہ ہو کہ ؎

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے

اسلام کی محبت و عظمت کا جذبہ جو ترکوں کی رگوں میں خونِ حیات بن کر دوڑتا تھا، کچھ عرصے کے لئے دب تو گیا، لیکن سرے سے مٹ نہ سکا۔ ٹھیک اس وقت بھی جب ترکی میں کمال اتاترک کی آمریت اپنے شباب پر تھی اور بیرونی دنیا یہ سمجھ رہی تھی کہ اب ترکی میں شاید اسلامی شعور کا کوئی نشان باقی نہ رہا ہو۔ مظلوم و مقہور ترکی عوام کے اس دینی جذبے کی جھلکیاں اس وقت بھی نظر آتی تھیں، اور حالات کا حقیقت پسندانہ جائزہ لینے والے اس بات سے بے خبر نہ تھے، ترکی کی معروف خاتون خالدہ ادیب خانم نے (جو خود بھی بڑی حد تک تجدد پسندی کی طرف مائل تھیں) ۱۹۳۵ء کے لگ بھگ اپنی کتاب

Conflict of East and West in Turkey میں لکھا تھا کہ:

"فی الحال ترکی میں سطح پر تو یہی نظر آتا ہے کہ مغرب کو وہاں فتح نصیب ہوئی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ترکوں کی روح میں مشرق اب بھی ایک اندر اندر بہتے ہوئے دھارے کی طرح موجود ہے"۔ (ص ۲۰۲ طبع دوم ۱۹۶۳ء)

"یہ اندر اندر بہتا ہوا دھارا" اب رفتہ رفتہ پھر سطح پر آ رہا ہے۔ ۱۹۵۰ء میں جو پہلے انتخابات ہوئے ان میں کمال اتاترک اور عصمت انونو کی پارٹی کو سخت شکست کا سامنا کرنا پڑا، اور اس کی جگہ عدنان مندریس کی ڈیموکریٹک پارٹی برسر اقتدار آئی جس نے اسلامی سرگرمیوں پر لگی ہوئی پابندیوں کو رفتہ رفتہ اٹھا دیا۔ اس کے بعد ایک مختصر عرصے کے لئے عصمت انونو کی ری پبلکن پارٹی پھر زبردستی ملک پر قابض ہوئی، اور اس نے عدنان مندریس جیسے قائد کو تختۂ دار پر لٹکا دیا، لیکن اب پھر وہاں جسٹس پارٹی کی حکومت ہے جو اسلام کے معاملے میں عدنان مندریس کی پیروی کر کے عوام کے دل کی دھڑکنوں کی ترجمانی کر رہی ہے۔ ترکی کے موجودہ صدر جناب جودت صونائی نے حال ہی میں اپنے عوام کو عید الاضحیٰ کے موقع پر پیغام دیتے ہوئے کہا تھا کہ:

"حالات کا تقاضا ہے کہ ہم تمام غیر اسلامی نظریات اور باطل تحریکات کے سامنے سینہ سپر ہو جائیں، صرف دین اسلام دین وحدت ہے، امت اسلامیہ کا دستور صرف قرآن کریم ہے، حالات ہمیں مجبور کر رہے ہیں کہ ہم سب قرآن کریم کو مضبوطی سے تھام لیں اور ترکی قوم خدا کے فضل سے اسلام کی سچی دعوت کی پوری طرح حفاظت کرنے کی اہل ہے"

(ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک صفر ۸۸ھ بحوالہ روزنامہ البلاد مکہ مکرمہ شمارہ ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۸۷ھ)

حال ہی میں ترکی کے ایک معروف عالم دین دار العلوم تشریف لائے تو انھوں نے بتایا کہ جس ملک میں کبھی کمال اتاترک نے قرآن کریم کو اٹھا کر شیخ الاسلام کے سر پر دے مارا تھا، آج اسی ملک میں قرآن و سنت کی تعلیم کے لئے ہزاروں کی تعداد میں مدارس قائم ہیں، یہاں تک کہ نئی نسل کے وہ نوجوان جو کبھی ضیا گوک الپ کی تحریروں سے متاثر تھے آج وہ بھی یہ محسوس کر رہے ہیں کہ "جدت" کے نام پر ان کی ساتھ کتنا بڑا فراڈ کھیلا گیا ہے۔

ترکی کے یہ بدلتے ہوئے حالات جہاں ہمارے لئے مسرت انگیز اور امید افزا ہیں وہاں ہمیں اپنے طرز عمل کو متعین کرنے کے لئے گہرے غور و فکر کی دعوت بھی دیتے ہیں۔ ترکی عالم اسلام کی وہ پہلی تجربہ گاہ تھی جہاں مغربی افکار کا سب سے پہلا تجربہ کیا گیا، وہاں مغربیت کی تحریک کو نظری میدان میں ضیا گوک الپ جیسے فکری رہنما بھی میسر آئے، اور سیاسی میدان میں کمال اتاترک جیسے انتہا پسند ڈکٹیٹر بھی، اور اس طرح افہام و تفہیم سے لیکر جبر و استبداد تک کوئی طریقہ ایسا نہیں ہے جو مغربی تجدد کی تحریک نے اس ملک میں اختیار نہ کیا ہو، اور چونکہ یہ ملک ایک طرف تمام عالم اسلام کے لئے نہ صرف سیاسی بلکہ جذباتی حیثیت سے بھی ایک مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔ اور دوسری طرف یورپ سے جغرافیائی اعتبار سے بالکل ملا ہوا تھا، اس لئے اہل مغرب نے یہاں تجدد کی تحریک کو پروان چڑھانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، پھر کم و بیش تیس سال تک یہاں اسلامی شعور کو فنا کرنے کا ہر طریقہ آزمایا گیا، اور بقول پروفیسر ٹائن

"ہٹلر کے ہم عصر مصطفےٰ کمال اتاترک نے ایک زیادہ موزوں طریقہ اختیار کیا، ترکی ڈکٹیٹر کا مقصد اپنے ہم وطنوں کے ذہن کو.... زبردستی مغربی تمدن کے سانچے میں ڈھالنا تھا، اور انھوں نے کتابیں سوخت کرنے کے بجائے حروفِ تہجی کو بدل ڈالنے پر قناعت کرلی.... اب کتابوں کے جلانے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی تھی کیونکہ وہ حروفِ تہجی جو ان کی کنجی کی حیثیت رکھتے تھے وہی منسوخ کردیئے گئے تھے، اب یہ ذخائر اطمینان کے ساتھ الماریوں میں بند پڑے رہ سکتے تھے، علاوہ چند سن رسیدہ علماء کے ان کو ہاتھ لگانے والا اب کوئی نہ تھا۔" (مطالعۂ تاریخ ص ۵۱۰، ۵۱۹ بحوالۂ مولانا ابوالحسن علی ندوی: اسلامیت اور مغربیت ص ۶۲)

اس طرزِ عمل کے ذریعہ ترکی میں عرصۂ دراز تک اسلام کی اصلی تعبیر کو (جسے ہمارے اہلِ تجدد رجعت پسندی کے نام سے یاد کرتے ہیں) کم از کم میدانِ عمل سے بالکل ہٹا دیا گیا تھا، چنانچہ چند سال پہلے تک وہاں تجدد کی بلا شرکتِ غیرے حکمرانی رہی اور اسے کسی رکاوٹ کے بغیر اپنے پورے حوصلے نکالنے کا موقعہ ملا۔

سوال یہ ہے کہ اس طویل عرصے میں تجدد کی بلا شرکتِ غیرے حکمرانی نے ترکی کو کیا دیا؟ کیا ترکی کے باشندوں کو پہلے سے زیادہ نہیں، پہلے جیسا امن و سکون اور سکھ چین نصیب ہوسکا؟ کیا اس عرصے میں وہاں کوئی نمایاں سائنسداں پیدا ہوا، کسی دوسرے علم و فن میں کوئی ایسی شخصیت ابھری جس نے فکر اور فلسفہ کے میدان میں کوئی نئی راہ نکالی ہو؟ کوئی ایسا مفکر سامنے آیا جس نے اس تہذیب میں کسی قابلِ قدر چیز کا اضافہ کیا ہو؟ کوئی ایسا صاحبِ دل پیدا ہوا جس نے اسے قرض ہی کے مسئلے سے نجات دلادی ہو، کوئی ایسا قائد اسے میسر ہوا جس نے اسے اقوامِ عالم کی صف میں کوئی ممتاز جگہ عطا کی ہو؟ پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ اس ملک کو جس کا سکہ کبھی کم و بیش ایک تہائی دنیا پر چلا کرتا تھا اس کی سابقہ سیاسی عظمت، بین الاقوامی وقار اور عالمِ اسلام کی قیادت کے منصب کا کوئی بدل نصیب ہوا؟

اگر ان سوالات کا جواب نفی میں ہے، اور یقیناً نفی میں ہے، تو اس صورتِ حال سے اس کے سوا اور کیا نتیجہ نکلتا ہے کہ زندگی کے بنیادی مسائل میں اسلام اور مغرب کے درمیان "مصالحت" کا کوئی امکان نہیں ہے، جس مصالحت کی تبلیغ تجدد کا مکتبِ فکر کر رہا ہے، اس نے عالمِ اسلام کو دکھتے ہوئے زخموں کے سوا کچھ نہیں دیا، وہ مسلمانوں کے حقیقی مسائل کو حل کرنے میں قطعی طور پر ناکام رہی ہے، اور "تجدد" کی سب سے پہلی تجربہ گاہ نے اس حقیقت کو خوب اچھی طرح واشگاف کردیا ہے کہ جو قوم اپنا ذاتی تشخص کھوکر اور اپنی خودداری کو پامال کرکے غیروں کی اندھی نقالی کی روش اختیار کرتی ہے وہ کبھی زندگی کی شاہراہ پر خود اعتمادی کے ساتھ قدم نہیں بڑھا سکتی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس کو ایک مستقل قوم کی حیثیت سے دنیا میں زندہ رہنے کا بھی حق کیوں رہے جبکہ وہ خود اس حق سے دستبردار ہو چکی ہو۔

اسی حقیقت کا شعور ہے جو آج ترکی کے عوام و حکام کو اپنی زندگی کی لائن تبدیل کرکے حقیقی اسلام کی آغوش میں پناہ لینے پر مجبور کر رہا ہے، ترکی کے یہ اقدامات ہر حقیقت پسند انسان کی طرف سے تحسین و آفرین کے مستحق ہیں، اور ساتھ ہی ان کے واسطے سے ترک عوام و حکام کی یہ ہمدردانہ آواز ہمیں سنائی دے رہی ہے کہ ؎

من ذکردم، شما حذر بکنید

لیکن عالمِ اسلام کے لئے یہ خبریں کتنی مسرت انگیز کیوں نہ ہوں، غیر مسلم اور بالخصوص مغربی دنیا کے تیور اس پر بری طرح

بگڑ رہے ہیں اور اسی کی ایک ہلکی سی جھلک مسٹر سام کوہن کے مذکورہ بالا مضمون میں دیکھی جاسکتی ہے، اس مضمون کے ذریعہ آپ اسلام کے بارے میں مغرب کے ذہن کا بھی مطالعہ کر سکتے ہیں، اگر آپ بہ نظر غائر اس مضمون کو پڑھیں گے تو مندرجہ ذیل نتائج تک پہنچے بغیر نہ رہ سکیں گے:

(۱) ایک طرف مضمون نگار اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ ملک کی اکثریت احیاء اسلام کی حامی ہے، اسی لئے تو عدنان مندریس کی پارٹی نے "اکثریت کے ووٹ حاصل کرنے کے لئے مذہبی تعصب کو گوارا کیا تھا" اور دوسری طرف وہ "ترکی کو دو کیمپوں میں تقسیم کرنے اور جمہوریت کے لئے خطرہ بننے" کا الزام بھی اسی "اکثریت" کو دیتا ہے ——— یہ اس مغرب کا ذہن ہے جو "جمہوریت" کو جزو ایمان قرار دیتا ہے۔

(۲) پھر وہ سنہ ۱۹۶۰ء کے انقلاب کے حوالے سے موجودہ حکومت کو عدنان مندریس کا پیرو قرار دے کر اس پر اپنی ناراضی کا اظہار کرتا ہے کہ وہ "احیاء اسلام کی وکالت کرنے والوں" کے ساتھ کیوں رواداری برت رہی ہے؟ ———

یہ اس مغرب کا اعتراض ہے جس کی زبان "رواداری" اور "عدم مداخلت" کی تبلیغ کرنے سے نہیں سوکھتی۔

(۳) پھر اس مضمون کا بڑا ہی دلچسپ جملہ یہ ہے کہ:

"بعض لوگوں نے کھلم کھلا شریعت کو دوبارہ نافذ کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔"

گویا یہ مطالبہ ایک ایسا جرم ہے جس کا "کھلم کھلا" انجام دینا بنیادی حقوق انسانی کی خلاف ورزی ہے ———

یہ اس مغرب کا ذہن ہے جسے "آزادیٔ تحریر و تقریر" کی اہمیت کا بڑا احساس ہے۔

(۴) ایک اور بات، جو بہت زیادہ قابلِ توجہ ہے، مضمون نگار کا یہ ارشاد ہے کہ:

"انھوں نے کمیونزم اور ملک میں بائیں بازو کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کے خلاف احتجاج کرنے کے بہانے عوامی مظاہرے بھی شروع کردیئے ہیں ...... ان لوگوں نے سبز پرچم ہاتھ میں لیکر مارچ کیا۔"

ملاحظہ فرمایئے کہ "کمیونزم" کا یہ حریف اس بات پر کسی مسرت کا اظہار نہیں کرتا کہ ان لوگوں نے کمیونزم کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کے خلاف احتجاج کیا، اس کے بجائے اسے پریشانی اس بات سے ہے کہ انھوں نے سبز پرچم کیوں اٹھائے ہوئے تھے؟ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ سرمایہ دار دنیا کو اصل خطرہ کمیونزم سے ہے یا اسلام سے؟ ——— اس موقعہ پر ہمیں اقبال مرحوم کی نظم "ابلیس کی مجلس شوریٰ" یاد آرہی ہے جس میں ابلیس نے اپنے چیلوں سے بڑے پتہ کی بات کہی تھی کہ ؏

مزدکیت فتنۂ فردا نہیں، اسلام ہے

(۵) آخر میں اس مضمون کے اندر ہمارے تجدد پسند طبقے کے لئے ایک اور بڑا قابل غور پہلو بھی ہے، اور وہ یہ کہ اس جیسے مضامین کو دیکھ کر تجدد پسند حضرات کو ایک بار سنجیدگی کے ساتھ یہ ضرور سوچنا چاہئے کہ یہ امریکی یہودی نامہ نگار اور اس جیسے بہت سے غیر مسلم مغربی باشندے عالم اسلام میں "تجدد" کے اثرات کو پھیلتا دیکھ کر اس قدر خوش کیوں ہوتے ہیں؟ اور انہیں "احیاء اسلام" کی ہر کوشش سے کیوں ڈر لگتا ہے؟ کیا بعید ہے کہ اگر وہ اسی پہلو سے غور فرمائیں تو انہیں اپنے طرز عمل پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس ہونے لگے۔

صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں صاحب اپنی علالت کے بعد پہلی بار لاہور تشریف لائے تو انھوں نے .... لاہور کے عوام سے خطاب کرتے ہوئے انھیں مشورہ دیا کہ وہ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات پر عمل کرنے کے لئے ان کی کتاب "کشف المحجوب" کا مطالعہ کریں، صدر نے بتایا کہ انھوں نے حال ہی میں اس کتاب کا مطالعہ کیا ہے اور اس میں بے نظیر تعلیمات پائی ہیں، انھوں نے عوام کو مشورہ دیا کہ وہ حضرت علی ہجویری کے مزار کی صرف زیارت ہی پر اکتفا نہ کریں، بلکہ ان کی اور دوسرے اولیاء اللہ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں، جنھوں نے اس خطے کو اسلام کی شمع سے جگمگایا ہے۔

صدرِ محترم کا یہ ارشاد اس ملک کے کروڑوں مسلمانوں کی دل کی آواز ہے اور ہم اسے پاکستان کے حق میں فالِ نیک سمجھتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ نفس اور مادے کے گرداب میں پھنسی ہوئی موجودہ دنیا کو اپنی بے چینیوں سے نجات اگر مل سکتی ہے تو اس کا واحد راستہ اولیاء اللہ کی بتائی ہوئی تعلیمات پر عمل کرنا ہے۔ روح کی پاکیزگی اور طہارت کا سامان مہیا کئے بغیر نرے مادے سے سکون و قرار کی توقع رکھنا ایک ایسی خود فریبی ہے جس کی سزا انسانیت سالہا سال سے بھگت رہی ہے

کراچی پولیس نے تنظیم نوجوانانِ ملی کے نام سے ایک ادارۂ خدمت خلق قائم کیا ہے جس میں شہر کے نوجوان مختلف سماجی خدمات انجام دیں گے، اس کے ساتھ ہی "اوقات کا ایک بنک" بھی قائم کیا ہے جس میں ہر شعبۂ زندگی کے افراد اپنے اوقات میں سے کچھ وقت ان نوجوانوں کی تربیت اور خدمتِ خلق کے لئے جمع کرائیں گے۔

یہ ایک نہایت مفید اور مستحسن اقدام ہے، اور اگر اس سے صحیح انداز میں کام لیا جائے تو اس سے بڑے دور رس نتائج نکل سکتے ہیں، ہماری دعا ہے کہ خدا کرے یہ تحریک ملک و ملت کے لئے مفید اور بار آور ہو۔ خدمت خلق ایک عظیم الشان عبادت ہے، امید ہے کہ اس عبادت کو اسی جذبے کے ساتھ انجام دیا جائے گا، اور مسلمان اس میں گرمجوشی کے ساتھ حصہ لیں گے ؎

طریقت بجز خدمت خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

گذشتہ مہینے میں البلاغ کا اداریہ مجبوری کی وجہ سے شائع نہیں ہو سکا، اس ایک ماہ کی غیر حاضری پر جن احباب نے خطوط کے ذریعہ افسوس ــــ بلکہ بعض حضرات نے تعزیت ــــ کا اظہار فرمایا ان کی محبت و عنایت کے ہم تہ دل سے ممنون ہیں اور ساتھ ہی ان حضرات کے بھی جنھوں نے ہمیں ان "تعزیتی خطوط" کا مخاطب بنایا ــــ بہرکیف! اس سلسلہ میں متعلقہ ذمہ دار حضرات سے افہام و تفہیم کی کوشش ہو رہی ہے ــــ امید ہے کہ ہمارے قارئین کرام پرچے کے تاخیر سے پہنچنے کا شکوہ نہ فرمائیں گے۔

محمد تقی عثمانی
۲۵ ربیع الثانی ۸۸ھ

معارف القرآن

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ

اِنَّ المتقین فی جنّٰت وعیون ○ ادخلوھا بسلام آمنین ○ ونزعنا ما فی صدورھم من غلّ اخوانا علی سرر متقٰبلین ○ لا یمسھم فیھا نصب وما ھم منھا بمخرجین ○ نبّئ عبادی انّی انا الغفور الرحیم ○ وان عذابی ھو العذاب الالیم ○

خلاصہ تفسیر بیشک خدا سے ڈرنے والے (یعنی اہل ایمان) باغوں اور چشموں میں (بستے) ہوں گے (خواہ اول ہی سے اگر معصیت نہ ہو یا معاف ہو گئی ہو اور خواہ سزائے معصیت بھگتنے کے بعد اور ان کو کہا جاوے گا کہ) تم ان (جنات وعیون) میں سلامتی اور امن کے ساتھ داخل ہو (یعنی اس وقت بھی ہر ناپسند چیز سے سلامتی ہے اور آئندہ بھی کسی شر کا اندیشہ نہیں) اور دنیا میں طبعی تقاضا سے) ان کے دلوں میں جو کینہ تھا ہم وہ سب (ان کے دلوں سے جنت میں داخل ہونے کے قبل ہی) دور کر دیں گے کہ بھائی بھائی کی طرح (الفت ومحبت سے) رہیں گے تختوں پر آمنے سامنے بیٹھا کریں گے وہاں ان کو ذرا بھی تکلیف نہ پہنچے گی اور نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں گے (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ میرے بندوں کو اطلاع دیجیے کہ میں بڑا مغفرت اور رحمت والا بھی ہوں اور نیز یہ کہ میری سزا (بھی) دردناک سزا ہے (تاکہ اس سے مطلع ہو کر ایمان اور تقویٰ کی رغبت اور کفر و معصیت سے خوف پیدا ہو)

معارف و احکام حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ اہل جنت جب جنت میں داخل ہوں گے تو سب سے پہلے ان کے سامنے پانی کے دو چشمے پیش کئے جائیں گے، پہلے چشمہ سے وہ پانی پئیں گے تو ان سب کے دلوں سے باہمی رنجش جو کبھی دنیا میں پیش آئی تھی اور طبعی طور پر اس کا اثر آخر تک موجود رہا، سب دھل جائے گی اور سب کے دلوں میں باہمی الفت و محبت پیدا ہو جائے گی۔ کیونکہ باہمی رنجش بھی ایک تکلیف وہ عذاب ہے اور جنت ہر تکلیف سے پاک ہے اور حدیث صحیح میں جو یہ وارد ہوا ہے کہ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر

بھی کینہ کسی مسلمان سے ہوگا وہ جنت میں نہ جائے گا۔ اس سے مراد وہ کینہ اور بغض ہے جو دنیوی غرض سے اور اپنے قصد و اختیار سے ہو اور اس کی وجہ سے یہ شخص اس کے درپے رہے کہ جب موقع پائے اپنے دشمن کو تکلیف اور نقصان پہونچائے۔ طبعی انقباض جو طبعی خاصہ بشری اور غیر اختیاری ہے وہ اس میں داخل نہیں ایسے ہی بغض و انقباض کا ذکر اس آیت میں ہے کہ اہل جنت کے دلوں سے ہر طرح کا انقباض اور رنجش دور کردی جائے گی۔

اسی کے متعلق حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ "مجھے امید ہے کہ میں اور طلحہ اور زبیر انہیں لوگوں میں سے ہوں گے جن کے دلوں کا غبار جنت میں داخلے کے وقت دور کردیا جائے گا اشارہ ان اختلافات و مشاجرات کی طرف ہے جو ان حضراتؓ اور حضرت علی رضؓ کے درمیان پیش آئے تھے لا یمسھم فیھا نصب وما ھم منھا بمخرجین اس آیت سے جنت کی دو خصوصیات معلوم ہوئیں اول یہ کہ کسی کو کبھی تکان اور ضعف محسوس نہ ہوگا۔ بخلاف دنیا کے کہ یہاں محنت مشقت کے کاموں سے تو ضعف و تکان ہوتا ہی ہے۔ خالص آرام اور تفریح سے بھی کسی نہ کسی وقت آدمی تھک جاتا ہے اور ضعف محسوس کرنے لگتا ہے خواہ وہ کتنا ہی لذیذ کام اور مشغلہ ہو۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جو آرام و راحت اور نعمتیں وہاں کسی کو مل جائیں گی پھر وہ دائمی ہوں گی نہ وہ نعمتیں کبھی کم ہوں گی اور نہ ان میں سے اس شخص کو نکالا جائے گا۔ سورۂ ص میں ارشاد ہے ان ھٰذا لرزقنا مالہ من نفاد۔ یعنی یہ ہمارا رزق ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا اور اس آیت میں فرمایا وما ھم منھا بمخرجین یعنی ان کو کبھی ان نعمتوں اور راحتوں سے نکالا نہیں جائے گا، بخلاف معاملات دنیا کے کہ یہاں اگر کوئی کسی کو بڑے سے بڑا انعام و راحت دے بھی دے تو یہ خطرہ ہر وقت لگا رہتا ہے کہ جس نے یہ انعامات دیئے ہیں وہ کسی وقت ناراض ہو کر یہاں سے نکال دے۔

ایک تیسرا احتمال جو یہ تھا کہ جنت کی نعمتیں ختم ہوں اور نہ اس کو وہاں سے نکالا جائے، مگر وہ خود ہی وہاں رہتے رہتے اکتا جائے اور باہر جانا چاہے۔ قرآن عزیز نے اس احتمال کو بھی ایک جملہ میں ان الفاظ سے ختم کر دیا ہے لا یبغون عنھا حولا۔ یعنی یہ لوگ کبھی وہاں سے پلٹ کر آنے کی کبھی خواہش نہ کریں گے۔

ونبئھم عن ضیف ابراھیم ۝ اذ دخلوا علیہ فقالوا سلٰماً ط قال انا منکم وجلون ۝ قالوا لا توجل انا نبشرک بغلٰم علیم ۝ قال ابشرتمونی علیٰ ان مسنی الکبر فبم تبشرون ۝ قالوا بشرنٰک بالحق فلا تکن من القانطین ۝ قال ومن یقنط من رحمۃ ربہ الا الضالون ۝ قال فما خطبکم ایھا المرسلون ۝ قالوا انا ارسلنا الیٰ قوم مجرمین ۝ الا آل لوط ط انا لمنجوھم اجمعین ۝ الا امرأتہ قدرنا انھا لمن الغٰبرین ۝ فلما جاء آل لوط المرسلون ۝ قال انکم قوم منکرون ۝ قالوا بل جئنٰک بما کانوا فیہ یمترون ۝ وآتینٰک بالحق وانا لصٰدقون ۝ فاسر باھلک بقطع من اللیل واتبع ادبارھم ولا یلتفت منکم احد وامضوا حیث تؤمرون ۝ وقضینا الیہ ذٰلک الامر ان دابر ھٰؤلاء مقطوع مصبحین ۝ وجاء اھل المدینۃ یستبشرون ۝ قال ان ھٰؤلاء ضیفی فلا تفضحون ۝ واتقوا اللہ ولا تخزون ۝ قالوا اولم ننھک عن العٰلمین ۝ قال ھٰؤلاء بنٰتی ان کنتم فٰعلین ۝ لعمرک انھم لفی

سکرتهم یعمهون ○ فاخذتهم الصیحة مشرقین ○ فجعلنا عالیها سافلها وامطرنا علیهم حجارة من سجیل ○ ان فی ذالك لاٰیات للمتوسمین ○ و انها لبسبیل مقیم ○ ان فی ذلك لاٰیة للمؤمنین ○

خلاصہ تفسیر

اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان (لوگوں) کو ابراہیم (علیہ السلام) کے مہمانوں (کے قصہ) کی بھی اطلاع دیجئے (وہ قصہ اس وقت واقع ہوا تھا) جبکہ وہ مہمان جو کہ واقع میں فرشتے تھے اور بشکل انسانی ہونے کی وجہ سے حضرت ابراہیم نے ان کو مہمان سمجھا) ان کے (یعنی ابراہیم علیہ السلام کے) پاس آئے پھر (آکر) انھوں نے السلام علیکم کہا (ابراہیم علیہ السلام ان کو مہمان سمجھ کر فوراً ان کے لئے کھانا تیار کر کے لائے مگر چونکہ وہ فرشتے تھے انہوں نے کھایا نہیں تب) ابراہیم (علیہ السلام دل میں ڈرے کہ یہ لوگ کھانا کیوں نہیں کھاتے۔ کیونکہ وہ فرشتے بشکل بشر تھے اسلئے ان کو بشر ہی سمجھا اور کھانا نہ کھانے سے شبہ ہوا کہ یہ لوگ کہیں مخالف نہ ہوں اور) کہنے لگے کہ ہم تو تم سے خائف ہیں، انھوں نے کہا کہ آپ خائف نہ ہوں کیونکہ ہم (فرشتے ہیں، منجانب اللہ ایک بشارت لے کر آئے ہیں اور) آپ کو ایک فرزند کی بشارت دیتے ہیں جو بڑا عالم ہوگا (مطلب یہ کہ نبی ہوگا کیونکہ آدمیوں میں سب سے زیادہ علم انبیاء کو ہوتا ہے مراد اس فرزند سے اسحٰق علیہ السلام ہیں اور دوسری آیتوں میں حضرت اسحٰق علیہ السلام کے ساتھ یعقوب علیہ السلام کی بشارت بھی مذکور ہے) ابراہیم (علیہ السلام) کہنے لگے کہ کیا تم مجھ کو اس حالت میں (فرزند کی) بشارت دیتے ہو کہ مجھ پر بڑھاپا آ گیا سو (ایسی حالت میں مجھ کو) کس چیز کی بشارت دیتے ہو (مطلب یہ کہ یہ امر فی نفسہ عجیب ہے نہ یہ کہ قدرت سے بعید ہے) وہ (فرشتے) بولے کہ ہم آپ کو امر واقعی کی بشارت دیتے ہیں (یعنی تولد فرزند یقیناً ہونے والا ہے) سو آپ نا امید نہ ہوں (یعنی اپنے بڑھاپے پر نظر نہ کیجئے کہ ایسے اسباب عادیہ پر نظر کرنے سے وساوس نا امیدی کے غالب ہوتے ہیں) ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا کہ بھلا اپنے رب کی رحمت سے کون نا امید ہوتا ہے بجز گمراہ لوگوں کے (یعنی میں نبی ہو کر گمراہوں کی صفت سے کب موصوف ہو سکتا ہوں محض مقصود اس امر کا عجیب ہونا ہے باقی اللہ کا وعدہ سچا اور مجھ کو امید سے بڑھ کر اس کا کامل یقین، بعد اس کے فراست نبوت سے آپ کو معلوم ہوا کہ ان ملائکہ کے آنے سے علاوہ بشارت کے اور بھی کوئی مہم عظیم مقصود ہے اس لئے) فرمانے لگے کہ (جب قرائن سے مجھ کو یہ معلوم ہو گیا کہ تمہارے آنے کا کچھ اور بھی مقصود ہے تو یہ بتلاؤ کہ) اب تم کو کیا مہم درپیش ہے اے فرشتو۔ فرشتوں نے کہا کہ ہم ایک مجرم قوم کی طرف (ان کو سزا دینے کے لئے) بھیجے گئے ہیں (مراد قوم لوط ہے) مگر لوط (علیہ السلام) کا خاندان کہ ہم ان سب کو (عذاب سے) بچا لیں گے۔ (یعنی ان کو بچنے کا طریقہ بتلا دیں گے۔ کہ ان مجرموں سے علیحدہ ہو جاویں) بجز اُن کی (یعنی لوط علیہ السلام کی) بی بی کہ اس کی نسبت ہم نے تجویز کر رکھا ہے کہ وہ ضرور اس قوم مجرم میں رہ جاوے گی (اور ان کے ساتھ عذاب میں مبتلا ہوگی)

پھر جب وہ فرشتے خاندان لوط (علیہ السلام) کے پاس آئے (تو چونکہ بشکل بشر تھے اس لئے) کہنے لگے تم تو اجنبی آدمی (معلوم ہوتے) ہو (دیکھئے شہر والے

تمہارے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں کیونکہ یہ اجنبی لوگوں
کو پریشان کیا کرتے ہیں) انھوں نے کہا نہیں (ہم آدمی
نہیں) بلکہ ہم (فرشتے ہیں) آپ کے پاس وہ چیز (یعنی
وہ عذاب) لے کر آئے ہیں جس میں یہ لوگ شک کیا
کرتے تھے، اور ہم آپ کے پاس یقینی ہونے والی چیز (یعنی
عذاب) لے کر آئے ہیں اور ہم (اس خبر دینے میں) بالکل
سچے ہیں سو آپ رات کے کسی حصہ میں اپنے گھر والوں کو
لے کر (یہاں سے) چلے جایئے۔ اور آپ سب کے پیچھے
ہو لیجئے (تاکہ کوئی رہ نہ جائے یا لوٹ نہ جائے اور آپ
کے رعب اور ہیبت کی وجہ سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے
جس کی ممانعت کر دی گئی ہے) اور تم میں سے کوئی پیچھا
پھر کر بھی نہ دیکھے (یعنی سب جلدی چلے جائیں) اور جس
جگہ جانے کا تم کو حکم ہوا ہے اس طرف سب کے سب
چلے جاؤ (تفسیر درمنثور میں بحوالہ سدی نقل کیا ہے کہ
وہ جگہ ملک شام ہے جس کی طرف ہجرت کرنے کا ان حضرات
کو حکم دیا گیا تھا) اور ہم نے ان فرشتوں کے واسطے سے
لوط علیہ السلام کے پاس یہ حکم بھیجا کہ صبح ہوتے ہی بالکل
ان کی جڑ کٹ جاوے گی (یعنی بالکل ہلاک و برباد ہو جاویں گے
فرشتوں کی یہ گفتگو وقوع کے اعتبار سے اس قصہ کے بعد
ہوئی ہے جس کا ذکر آگے آ رہا ہے لیکن اس کا ذکر نے میں
اس لئے مقدم کر دیا کہ قصہ بیان کرنے سے جو بات مقصود
ہے یعنی نافرمانوں پر عذاب اور فرمانبرداروں کی نجات
و کامیابی وہ پہلے ہی اہتمام کے ساتھ معلوم ہو جائے۔
اگلا قصہ یہ ہے) اور شہر کے لوگ (یہ خبر سن کر کہ لوط علیہ السلام
کے یہاں حسین لڑکے آئے ہیں) خوب خوشیاں مناتے
ہوئے (اپنی فاسد نیت اور بُرے ارادے کے ساتھ لوط
علیہ السلام کے گھر) پہنچے۔ لوط علیہ السلام نے جو اب تک
ان کو آدمی اور اپنا مہمان ہی سمجھ رہے تھے ان کے فاسد
ارادوں کا احساس کر کے فرمایا کہ یہ لوگ میرے مہمان ہیں

(ان کو پریشان کر کے مجھ کو عام لوگوں میں) رسوا نہ کرو کیونکہ
مہمان کی توہین میزبان کی توہین ہوتی ہے۔ اگر تمہیں ان
پردیسیوں پر رحم نہیں آتا تو کم از کم میرا خیال کرو کہ میں
تمہاری بستی کا رہنے والا ہوں۔ اس کے علاوہ جو ارادہ
تم کر رہے ہو وہ اللہ تعالےٰ کے قہر و غضب کا سبب ہے
تم اللہ سے ڈرو اور مجھ کو ان مہمانوں کی نظر میں رسوا مت
کرو کہ مہمان یہ سمجھیں گے کہ اپنی بستی کے لوگوں میں بھی انکی
کوئی وقعت نہیں) وہ کہنے لگے کہ یہ رسوائی ہماری طرف سے
نہیں آپ نے خود اپنے ہاتھوں خریدی ہے کہ ان کو مہمان
بنایا) کیا ہم آپ کو دنیا بھر کے لوگوں کو اپنا مہمان بنانے سے
بارہا منع نہیں کر چکے (نہ آپ ان کو مہمان بناتے نہ اس رسوائی
کی نوبت آتی۔ لوط علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تو بتلاؤ
کہ اس بیہودہ حرکت کی ضرورت ہی کیا ہے جس کی وجہ
سے ہم پر کسی کو مہمان بنانے کی بھی اجازت نہیں دی جاتی
قضاء شہوت کے طبعی تقاضے کے لئے) یہ میری (بہو) بیٹیاں
(جو تمہارے گھروں میں موجود ہیں) اگر تم میرا کہنا کرو تو
شریفانہ طور پر اپنی عورتوں سے) اپنا مطلب پورا کرو۔
(مگر وہ کس کی سنتے تھے) آپ کی جان کی قسم اپنی مستی میں
مدہوش تھے پس سورج نکلتے نکلتے ان کو سخت آواز نے
آ دبایا (یہ ترجمہ مشرقین کا ہے اس سے پہلے مصبحین کا لفظ آیا ہے جس کے
معنی صبح ہوتے ہوتے ہیں ان دونوں کا اجتماع ممکن ہے کہ اس
اعتبار سے ہے کہ صبح سے ابتدا ہوئی اور اشراق تک ختم ہوا
آ دبایا۔ پھر (اس سخت آواز کے بعد) ہم نے ان بستیوں کی زمین کو
الٹ کر ان کا اوپر کا تختہ تو نیچے کر دیا (اور نیچے کا تختہ اوپر کر دیا)
اور ان لوگوں پر کنکر کے پتھر برسانا شروع کئے اس واقعہ
میں بہت سے نشانات اہل بصیرت کے لئے مثلاً ایک
تو یہ کہ بُرے فعل کا نتیجہ آخر کار بُرا ہوتا ہے اگر کچھ ان کو
مہلت اور ڈھیل مل جائے تو اس سے دھوکہ نہ کھانا چاہئے
دوسرے یہ کہ دائمی اور باقی رہنے والی راحت وعزت

صرف اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کی اطاعت پر موقوف ہے۔ تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو انسانی قدرت پر قیاس کرکے فریب میں مبتلا ہوں اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں سب کچھ ہے وہ ظاہری اسباب کے خلاف بھی جو چاہے کرسکتا ہے۔ وغیر ذلک۔

اور یہ بستیاں ایک آباد سڑک پر پڑتی ہیں ان بستیوں میں اہل ایمان کے لئے بڑی عبرت ہے (یعنی عرب سے ملک شام کو جاتے ہوئے ان کے آثار معلوم ہوتے ہیں حضرت لوط علیہ السلام کی بستی جہاں الٹی گئی ہے آج بھی وہ سطح سمندر سے کافی گہرائی میں ہے اور اس کے ایک بڑے رقبہ پر ایک خاص قسم کا پانی ہے جس میں کوئی جانور مینڈک، مچھلی زندہ نہیں رہ سکتا اسی لئے اس دریا کو بحر میت اور بحر لوط کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور تحقیق سے معلوم ہوا کہ درحقیقت اس میں پانی کے اجزاء کم اور تیل کے اجزاء زیادہ ہیں۔ یہ مقام عرب و شام کے درمیان گذرگاہ عام پر واقع ہے اور آجکل وہاں آثار قدیمہ کے محکمہ نے کچھ رہائشی علامات ہوٹل وغیرہ بھی بنادیئے ہیں، یہ مقام اردن کے علاقہ میں ہے۔

معارف و مسائل

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصی اعزاز و اکرام

قولہ لعمرک روح المعانی میں جمہور مفسرین کا قول یہ نقل کیا ہے کہ لعمرک کے مخاطب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی حیات کی قسم کھائی ہے، بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اور ابونعیم و ابن مردویہ وغیرہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضؓ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات و کائنات میں کسی کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عزت و مرتبہ عطا نہیں فرمایا، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی پیغمبر یا کسی فرشتے کی حیات پر کبھی قسم نہیں کھائی۔ اور اس آیت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر و حیات کی قسم کھائی ہے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتہائی اعزاز و اکرام ہے۔

غیر اللہ کی قسم کھانا کسی انسان کے لئے جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے علاوہ کسی اور چیز کی قسم کھائے کیونکہ قسم اس کی کھائی جاتی ہے جس کو سب سے زیادہ بڑا سمجھا جائے اور ظاہر ہے سب سے زیادہ بڑا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہوسکتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی ماؤں اور باپوں کی اور بتوں کی قسم نہ کھاؤ، اور اللہ کے سوا کسی کی قسم نہ کھاؤ اور اللہ کی قسم بھی صرف اس وقت کھاؤ جب تم اپنے قول میں سچے ہو (رواہ ابوداؤد والنسائی عن ابی ہریرہ)

اور صحیحین میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن خطابؓ کو دیکھا کہ اپنے باپ کی قسم کھا رہے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پکار کر فرمایا کہ "خبردار رہو اللہ تعالیٰ باپوں کی قسم کھانے سے منع فرماتا ہے۔ جس کو حلف کرنا ہو اللہ کے نام کا حلف کرے ورنہ خاموش رہے (قرطبی مائدہ) لیکن یہ حکم عام مخلوقات کے لئے ہے۔ اللہ جل شانہ خود اپنی مخلوقات میں سے مختلف چیزوں کی قسم کھاتے ہیں یہ ان کے لئے مخصوص ہے جس کا مقصد کسی خاص اعتبار سے اس چیز کا اشرف اور عظیم النفع ہونا بیان کرنا ہے۔ اور عام مخلوق کو غیر اللہ کی قسم کھانے سے روکنے کا جو سبب ہے وہ یہاں موجود نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں اس کا کوئی امکان نہیں کہ وہ اپنی کسی مخلوق کو سب سے بڑا اور افضل سمجھیں کیونکہ علی الاطلاق بڑائی تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات سے مخصوص ہے۔

جن بستیوں پر عذاب نازل ہوا ان سے عبرت حاصل کرنا چاہیئے

ان فی ذلک لآیات للمتوسمین وانہا لبسبیل مقیم اس میں حق تعالیٰ نے ان بستیوں کا محل وقوع

بیان فرمایا کہ عرب سے شام کو جانے والے راستہ پر ہیں اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ ان میں اہل بصیرت کے لئے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی بڑی نشانیاں ہیں ایک دوسری آیت میں ان کے متعلق یہ بھی ارشاد ہوا ہے لم تسکن من بعدھم الا قلیلاً یعنی یہ بستیاں عذاب الٰہی کے ذریعہ ویران ہونے کے بعد پھر دوبارہ آباد نہیں ہوئیں بجز چند بستیوں کے۔ اس مجموعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے ان بستیوں اور ان کے مکانات کو آنے والی نسلوں کے لئے عبرت کا سامان بنایا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ان مقامات سے گذرے ہیں تو آپ پر ہیبت حق کا ایک خاص حال تھا جس سے سر مبارک جھکا جاتا تھا اور اپنی سواری کو ان مقامات میں تیز کر کے جلد عبور کرنے کی سعی فرمائی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل نے یہ سنت قائم کر دی کہ جن مقامات پر اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے ان کو تماشا گاہ بنانا بڑی قساوت ہے بلکہ ان سے عبرت حاصل کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ وہاں پہنچکر اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا استحضار ہو اس کے عذاب کا خوف طاری ہو۔

حضرت لوط علیہ السلام کی بستیاں جن کا تختہ الٹا گیا ہے قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق عرب سے شام کو جانے والے راستہ پر اردن کے علاقہ میں آج بھی یہ مقام سطح سمندر سے کافی گہرائی میں ایک عظیم صحراء کی صورت میں موجود ہیں، اس کے ایک بہت بڑے رقبہ پر ایک خاص قسم کا پانی دریا کی صورت اختیار کئے ہوئے ہے اس پانی میں کوئی مچھلی مینڈک وغیرہ جانور زندہ نہیں رہ سکتا اسی لئے اس دریا کو بحر میتت اور بحر لوط کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اور تحقیق سے معلوم ہوا کہ درحقیقت اس پانی کے اجزاء بہت کم اور تیل کی قسم کے اجزاء زیادہ ہیں اسی لئے اس میں کوئی دریائی جانور زندہ نہیں رہ سکتا

آج کل آثار قدیمہ کے محکمہ نے کچھ رہائشی عمارات ہوٹل وغیرہ بھی بنا دیئے ہیں اور آخرت سے غافل مادہ پرست طبیعتوں نے آجکل اس کو ایک سیرگاہ بنایا ہوا ہے۔ لوگ تماشے کے طور پر اُسے دیکھنے جاتے ہیں۔ قرآن کریم نے اسی غفلت شعاری پر تنبیہ کے لئے آخر میں فرمایا۔ ان فی ذلک لآیۃ للمؤمنین۔ یعنی درحقیقت تو یہ واقعات و مقامات ہر چشم بصیرت رکھنے والے کے لئے عبرت آموز ہیں۔ لیکن اس عبرت سے فائدہ اٹھانے والے مؤمنین ہی ہوتے ہیں دوسرے لوگ ان مقامات کو ایک تماشائی کی حیثیت سے دیکھ کر روانہ ہو جاتے ہیں۔

فیہ شفاءٌ للناس

- ——— برہمنوں نے دریافت کیا تھا کہ اگر اصلی شہد اور دودھ اندھیرے کمرے میں استعمال کیا جائے تو قوت اور جوانی واپس آسکتی ہے اور اس کا مستقل استعمال عمر کو بڑھاتا ہے۔
- ——— ایران کی مردم شماری سے معلوم ہوا کہ وہاں کے باشندوں کی درازی عمر کا راز شہد کا زیادہ استعمال تھا
- ——— ڈاکٹر اِی، سی، آدی، پروفیسر نارتھ ویسٹرن یونیورسٹی امریکہ لکھتے ہیں کہ اب تک یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ اور بھی کوئی ایسی چیز پائی جاتی ہے جو شہد سے زیادہ طاقت بخشتی ہو۔
- ——— روس کے سائنسداں کہتے ہیں کہ قدرتی غذا کا جس میں شہد بھی داخل ہے درازی عمر سے گہرا تعلق ہے۔

قیامت کی علامتیں

مولانا سلیم اللہ صاحب

قال فاخبرنی عن الساعة؟ قال، ما المسئول عنها باعلم من السائل قال فاخبرنی عن اماراتها قال ان تلد الامة ربتها وان تری الحفاة العالة رعاء الشاء یتطاولون فی البنیان قال ثم انطلق فلبثت ملیا ثم قال لی یا عمر اتدری من السائل؟ قلت اللہ ورسولہ اعلم قال فانہ جبرئیل اتاکم یعلمکم دینکم۔

سائل نے عرض کیا مجھے قیامت کے متعلق بتلایئے (کہ وہ کب واقع ہوگی) آپ نے فرمایا کہ جس شخص سے یہ سوال کیا ہے وہ اس کو سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔ پھر اس نے عرض کیا تو مجھے اس کی کچھ نشانیاں ہی بتلا دیجئے؟ آپ نے فرمایا (کہ اس کی ایک نشانی تو یہ ہے کہ) لونڈی اپنی مالکہ اور آقا کو جنے گی، اور (دوسری ایک یہ ہے کہ) تم دیکھو گے کہ جن کے پاؤں میں جوتا اور تن پر کپڑا نہیں ہے اور جو تہی دست اور بکریاں چرانے والے ہیں وہ بڑی بڑی عمارتیں بنانے لگیں گے اور اس میں ایک دوسرے پر بازی لیجانے کی کوشش کریں گے

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ یہ باتیں کرکے یہ نووارد شخص چلا گیا، پھر مجھے کچھ عرصہ گذرا تھا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا، اے عمر! تم جانتے ہو کہ وہ سوال کرنے والا شخص کون تھا؟ میں نے عرض کیا، اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ: وہ جبرئیل تھے تمہاری اس مجلس میں اس لئے آئے تھے کہ تم لوگوں کو تمہارا دین سکھائیں۔

(۴) الساعة یعنی قیامت :- نووارد شخص نے اسلام ایمان اور احسان کے متعلق سوال کے بعد قیامت کے متعلق سوال کیا ہے کہ مجھے قیامت کے متعلق بتایئے کہ وہ کب آئیگی آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جس سے سوال کیا جا رہا ہے اس کو خود اس کے متعلق سائل سے زیادہ علم نہیں ہے۔

علماء حدیث نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے سوال کے جواب میں یہ فرمانے کے بجائے کہ "مجھے اس کا علم نہیں" یوں فرمایا کہ "جس سے سوال کیا جا رہا ہے اس کو خود اس کے متعلق سائل سے زیادہ علم نہیں" چونکہ پہلا جواب اگرچہ واضح و مختصر ہے، لیکن دوسرے جواب میں اپنی سائل کی لاعلمی کے اظہار کے ساتھ لطیف پیرایہ میں اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا ہے کہ میری اور تمہاری ہی یہ خصوصیت نہیں بلکہ کوئی بھی سائل ہو اور کوئی بھی مسئول عنہ ہو خدا کے سوا قیامت کے وقت خاص کا تعین سے کسی کو علم نہیں ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں اسی حدیث کی

حضرت ابو ہریرہ رضہ کی روایت میں ان الفاظ کا اضافہ موجود ہے

فِی خَمْسٍ لَا یَعْلَمُھَا اِلَّا اللہُ اِنَّ اللہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ؕ

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ فرمانے کے بعد کہ قیامت کے بارے میں میرا علم سائل سے زیادہ نہیں ہے) یہ بھی فرمایا کہ یہ (وقت قیامت تو) ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کو اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا (جیسا کہ اس آیت میں فرمایا گیا ہے) یقیناً اللہ ہی کے پاس ہے قیامت کے وقت خاص کا علم اور وہی نازل کرتا ہے بارش (یعنی اس کے علم میں ہے کہ بارش کب اور کہاں ہوگی) اور وہ جانتا ہے اس کو جو رحموں میں ہوتا ہے اور کسی نفس کو پتہ نہیں کہ وہ کل کیا کرے گا اور کسی نفس کو خبر نہیں کہ کس زمین میں اس کو موت آئے گی، یقیناً اللہ ہی ان باتوں کا پورا جاننے والا ہے اور ان کی پوری خبر رکھنے والا ہے۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اس آیت کو تلاوت کرنے سے یہی تھا کہ قیامت کے خاص وقت کا علم خدا تعالےٰ کے سوا کسی بھی مخلوق کو نہیں دیا گیا۔

اس سے پہلے جو تین سوالات کئے گئے تھے ان کا مقصد یہ تھا کہ حاضرین کو ان کے جواب کا علم ہو جائے مگر اس سوال کا مقصد یہ ہے کہ حاضرین قیامت کے وقت کے بارے میں اس حقیقت سے آگاہ ہو جائیں کہ اللہ تعالےٰ کے سوا کسی کو اس کا علم نہیں ہے اور اس کا سوال کرنا چھوڑ دیں جیسا کہ قرآن حکیم کی آیت یَسْئَلُکَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَۃِ "لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں" سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے متعلق آپ سے سوالات ہوتے رہتے تھے۔

"نوادر حمیدی" کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی طرح کا سوال و جواب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے درمیان بھی ہوا تھا مگر وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سوال کرتے تھے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام جواب دیتے تھے جبکہ یہاں خود حضرت جبرئیل سائل ہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جواب دینے والے اس سے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے

(۵) علامات قیامت :-

قیامت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب سن کر سائل نے علامات قیامت کے متعلق سوال کیا۔

" فَاَخْبِرْنِیْ عَنْ اَمَارَاتِھَا (مجھے قیامت کی کچھ نشانیاں ہی بتا دیجئے) اس کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو خاص نشانیاں بیان فرمائیں۔

ایک یہ کہ " لونڈی اپنی مالکہ اور آقا کو جنے گی" اور دوسری یہ کہ " نادار اور ننگے بھوکے لوگ جن کا کام بکریاں چرانا ہوگا بڑی بڑی شاندار عمارتیں بنائیں گے"۔

پہلی نشانی جو آپ نے ارشاد فرمائی حضرات محدثین نے اس کا مطلب کئی طرح بیان کیا ہے، لیکن زیادہ بہتر توجیہ جس کو بالعموم پسند کیا گیا ہے اور جو زیادہ عام فہم بھی ہے، اور قیامت کی دوسری علامت کے ساتھ مناسب بھی وہ یہ ہے کہ قرب قیامت میں حالات ابتر ہو جائیں گے، ماں باپ کی نافرمانی عام ہونے لگے گی، حتیٰ کہ لڑکیاں جن کی سرشت میں ماؤں کی اطاعت اور فرمانبرداری کا عنصر غالب ہوتا ہے وہ بھی نہ صرف یہ کہ ماؤں کے مقابلہ میں نافرمان ہو جائیں گی بلکہ الٹی اس طرح ان پر حکومت چلائیں گی

جس طرح ایک مالکہ اپنی زر خرید باندی پر حکومت کرتی ہے منشا یہ ہے کہ چھوٹے بڑا بننے کی کوشش کریں گے اور زیر تربیت لوگ اپنے مربیوں پر مزور جائیں گے، کسی عربی کے شاعر نے کہا ہے ؎

إذَا الْتَحَقَ الْأَسَافِلُ بِالْأَعَالِي
فَقَدْ طَابَتْ مُنَادَمَةُ الْمَنَايَا

"جب چھوٹے بڑے بننے لگ جائیں تو پھر (اس طرح کی بدتر زندگی سے) مرنا بہتر ہے۔"

حالات بتلاتے ہیں کہ اس نشانی کا ظہور شروع ہو چکا ہے۔ دوسری نشانی آپ نے یہ ارشاد فرمائی ہے کہ "بھوکے ننگے اور بکریاں چرانے والے لوگ اونچے اونچے محل بنوائیں گے" اس کا مقصد یہ ہے کہ قرب قیامت میں دنیا کی دولت اور عزت نااہل لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ جائے گی۔ اور اسی نااہلیت کی وجہ سے ان کو ایثار و ہمدردی، عدل و انصاف اور اپنے فرائض اور دوسروں کے حقوق سے کوئی سروکار نہیں ہوگا بلکہ وہ اپنی اولوالعزمی اس کو سمجھیں گے کہ اونچی اونچی شاندار فلک بوس کوٹھیاں بنوائیں یہی ان کا سرمایہ افتخار ہوگا اور اسی میں وہ ایک دوسرے پر بازی لیجانے کی کوشش کریں گے۔

حدیث پاک کے اس جملہ میں فقر اور بکریاں چرانے کی مذمت اور برائی بیان کرنا مقصود نہیں ہے، بلکہ صرف اتنی بات ارشاد فرمائی گئی ہے کہ جب زمام کار نااہلوں کے سپرد ہو جائے اور دولت، منصب اور اختیار ایسے افراد کی طرف منتقل ہو جائے جو ان کے لئے درکار ضروری صلاحیت سے عاری ہیں تو سمجھ لو کہ یہ قیامت کی دوسری نشانی ظاہر ہو گئی۔ چونکہ یہ بات روزمرہ کے مشاہدات اور تجربوں سے ثابت ہے کہ فاقہ مست اور بکریاں چرانے والے عام طور پر (گو بعض افراد اس سے مستثنیٰ بھی) اس طرح کے حکومتی اختیارات اور دنیوی مناصب کے لئے اہل نہیں ہوتے اس لئے یہ عنوان اختیار فرمایا گیا ہے ورنہ دراصل نااہل افراد کے بااختیار اور بااثر ہونے کو ذکر فرمایا جارہا ہے، اسی لئے ان کی نااہلیت کو واضح کرنے کے لئے فرمایا گیا کہ وہ اصل مقاصد سے توجہ ہٹا کر اونچے محلات تعمیر کرنے میں لگ جائیں گے اور اسی میں ایک دوسرے کے مقابلے میں اپنی برتری جتائیں گے

ایک دوسری حدیث میں اس مضمون کو اور زیادہ واضح الفاظ میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

إذَا وُسِّدَ الْأَمْرُ إلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ

یعنی جب اختیار، منصب اور معاملات نااہلوں کو سپرد کر دیئے جائیں تو قیامت کا انتظار کرو۔

زیر تشریح حدیث کے آخر میں ہے کہ اس نووارد شخص کے چلے جانے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بتایا کہ یہ شخص جبرئیل امین تھے اور اس لئے سائل بن کر آئے تھے کہ اس سوال وجواب کے ذریعہ تم کو دین کی تعلیم و تذکیر ہو جائے۔

اس حدیث کی بعض روایات میں یہ بھی تصریح ہے کہ جبرئیل امین کی اس حاضری اور گفتگو کا واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے تشریف لے جانے سے چند ہی د قبل پیش آیا تھا۔ گویا تیئیس ۲۳ سال کی مدت میں جس دین کی تعلیم مکمل ہوئی تھی اللہ تعالیٰ کی رحمت نے چاہا کہ جبرئیل امین کے ان سوالات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوابات کے ذریعہ اس کا خلاصہ اور لب لباب بیان کرا کے حضرات صحابہ کے علم کی تکمیل کرادی جائے اور ان کو اس امانت کا امین بنا د

یہ حقیقت ہے کہ پہلے تین سوالات اور ان کے جواب ذریعہ پورے دین کا عطر اور جوہر نکال کر سامنے کر دیا گیا چونکہ یہی تین باتیں حاصل دین ہیں۔ اسلام، ایمان اور احسا ان کی تکمیل سے انسان کی زندگی کا مقصد تو پورا ہو جاتا ہے تو سوال یہ ہے کہ پھر اس کے بعد اب کیا مرحلہ باقی رہ جاتا ہے، اسی کو بیان فرمایا گیا کہ ا بعد قیامت ہے۔

محمد تقی عثمانی

عیسائیت کا بانی کون ہے

حضرت مسیحؑ حواریوں کی نظر میں

حضرت مسیحؑ کے بعد دوسرا دور جو ان کے حواریوں کا ہے جب ہم ان کے اقوال میں اس عقیدے کو تلاش کرتے ہیں تو ہمیں وہاں بھی "تثلیث" یا "حلول" کا کوئی تصور نہیں ملتا، بائبل میں حضرت مسیحؑ کے لئے "خداوند" کا لفظ ان کی طرف ضرور منسوب ہے، لیکن یہ لفظ "آقا" اور "استاد" کے معنی میں بہ کثرت استعمال ہوا ہے، انجیل کی کئی عبارتیں بھی اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حواریین حضرت مسیحؑ کو "استاد" کے معنی میں "خداوند" اور "ربی" کہتے تھے، انجیل متی میں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا۔

"مگر تم ربی نہ کہلاؤ، کیونکہ تمہارا استاد ایک ہی ہے اور تم سب بھائی ہو، اور زمین پر کسی کو اپنا باپ نہ کہو کیونکہ تمہارا باپ ایک ہی ہے جو آسمانی ہے[۱]، اور نہ تم ہادی کہلاؤ کیونکہ تمہارا ہادی ایک ہی ہے یعنی مسیح" (متی ۲۳ : ۸ تا ۱۰)

اس سے صاف واضح ہے کہ حواری جو حضرت مسیحؑ کو "ربی" یا "خداوند" کہتے تھے وہ "استاد" اور "ہادی" کے معنی میں کہتے تھے۔ معبود اور الٰہ کے معنی میں نہیں لہٰذا اس لفظ سے تو اس بات پر استدلال نہیں کیا جا سکتا کہ وہ حضرت مسیحؑ کو خدا سمجھتے تھے اور اس ایک لفظ کے سوا کوئی اور حرف ایسا موجود نہیں ہے جس سے عقیدۂ تثلیث یا عقیدہ حلول کا کوئی اشارہ ملتا ہو۔ اس کے برعکس بعض ایسی واضح عبارتیں ضرور ملتی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حواریوں کے نزدیک حضرت مسیحؑ ایک پیغمبر تھے، اور بس! حضرت پطرس حواریوں میں بلند ترین مقام کے حامل ہیں وہ ایک مرتبہ یہودیوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

"اے اسرائیلیو! یہ باتیں سنو کہ یسوع ناصری ایک شخص تھا جس کا خدا کی طرف سے ہونا تم پر ان معجزوں اور عجیب کاموں اور نشانوں سے ثابت ہوا جو خدا نے اس کی معرفت تم میں دکھائے، چنانچہ تم آپ ہی جانتے ہو" (اعمال ۲ : ۲۲)

واضح رہے کہ یہ خطاب یہودیوں کو مذہب عیسوی کی دعوت دینے کے لئے کیا جا رہا ہے۔ اگر عقیدۂ تثلیث اور

---

[۱] اس کے باوجود عیسائی حضرات اپنے پادریوں اور پاپاؤں کو "باپ" کیوں کہتے آئے ہیں؟ یہ انہیں سے پوچھئے، رموز مملکت خویش خسرواں دانند۔

عقیدۂ حلول مذہبِ عیسوی کا بنیادی عقیدہ تھا تو حضرت پطرس کو چاہئے تھا کہ وہ حضرت "یسوع ناصری" کو "ایک شخص" کہنے کے بجائے "خدا کا ایک اقنوم" کہتے، اور "خدا کی طرف سے" کہنے کی جگہ صرف "خدا" کہتے۔ اور ان کے سامنے تثلیث و حلول کے عقیدوں کی تشریح کرتے، اور آگے ایک موقعہ پر فرماتے ہیں:

"ابراہام اور اضحاق اور یعقوب کے خدا یعنی ہمارے باپ دادا کے خدا نے اپنے خادم یسوع کو جلال دیا۔" (اعمال ۳/۱۳)

اور کتاب اعمال ہی میں ہے کہ ایک مرتبہ تمام حواریوں نے ایک زبان ہو کر خدا سے مناجات کرتے ہوئے کہا کہ:

"کیونکہ واقعی تیرے پاک خادم یسوع کے برخلاف جسے تو نے مسیح کیا ہیرودیس اور پنطیس پیلاطس غیر قوموں اور اسرائیلیوں کے ساتھ اسی شہر میں جمع ہوئے۔" (اعمال ۴/۲۷)

اس کے علاوہ ایک موقعہ پر برنباس حواری فرماتے ہیں:

"دلی ارادے سے خداوند سے لپٹے رہو کیونکہ وہ نیک مرد اور روح القدس اور ایمان سے معمور تھا۔" (اعمال ۱۱: ۲۳، ۲۴)

اس میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف نیک مرد اور مومن کہا گیا ہے۔

یہ تمام عبارتیں پوری وضاحت کے ساتھ اس حقیقت کو آشکارا کرتی ہیں کہ حواریین حضرت مسیح علیہ السلام کو "ایک شخص" اور "خدا کی طرف سے" "پیغمبر اور اللہ کا" "خادم" (یعنی بندہ) اور "مسیح" سمجھتے تھے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

آپ نے دیکھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام سے لیکر آپ کے حواریوں تک کسی سے بھی تثلیث اور حلول کا عقیدہ ثابت نہیں ہے، بلکہ اس کے خلاف ان کی صریح عبارتیں موجود ہیں۔

لہٰذا پہلا وہ شخص جس کے یہاں تثلیث اور حلول کا عقیدہ صراحت اور وضاحت کے ساتھ ملتا ہے، پولس ہے، وہ فلپیوں کے نام اپنے خط میں لکھتا ہے:

"(اس مسیح) نے اگرچہ خدا کی صورت پر تھا، خدا کے برابر ہونے کو قبضہ میں رکھنے کی چیز نہ سمجھا، بلکہ اپنے آپ کو خالی کر دیا اور خادم کی صورت اختیار کی اور انسانوں کے مشابہ ہو گیا، اور انسانی شکل میں ظاہر ہو کر اپنے آپ کو پست کر دیا اور یہاں تک فرمانبردار رہا کہ موت بلکہ صلیبی موت گوارا کی۔ اسی واسطے خدا نے بھی اسے بہت سربلند کیا...... تاکہ یسوع کے نام پر ہر ایک گھٹنا ٹکے، ..... اور خدا باپ کے جلال کے لئے ہر ایک زبان اقرار کرے کہ یسوع مسیح خداوند ہے۔" (فلپیوں ۲: ۶ تا ۱۱)

اور کلسیوں کے نام خط میں لکھتا ہے:

"(وہ مسیح) ان دیکھے خدا کی صورت اور تمام مخلوقات سے پہلے مولود ہے۔ کیونکہ اسی میں سب چیزیں پیدا کی گئیں، آسمان کی ہوں یا زمین کی، دیکھی ہوں یا ان دیکھی، تخت ہوں یا ریاستیں یا حکومتیں یا اختیارات سب چیزیں اسی کے وسیلے سے اور اسی کے واسطے سے پیدا ہوئی ہیں۔" (کلسیوں ۱/۱۵)

اور آگے چل کر لکھتا ہے:

"کیونکہ الوہیت کی ساری معموری اسی میں مجسم ہو کر سکونت کرتی ہے۔" (کلسیوں ۲/۹)

آپ نے دیکھا کہ حواریوں نے حضرت مسیح کے لئے "خداوند" اور "ربی" کے الفاظ تو استعمال کئے ہیں جن کے معنے مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں "استاد" کے ہیں، لیکن کہیں ان کے لئے "الوہیت" یا "تجسم" کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ یہ عقیدہ سب سے پہلے پولس ہی کے یہاں ملتا ہے۔

انجیل یوحنا کی حقیقت

یہاں ایک اعتراض پیدا ہوسکتا ہے، اور وہ یہ کہ حلول اور تجسم کا عقیدہ انجیل یوحنا کے بالکل شروع میں موجود ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

"ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا" (یوحنا ۱:۱)

اور آگے چل کر لکھا ہے:

"اور کلام مجسم ہوا اور فضل اور سچائی سے معمور ہوکر ہمارے درمیان رہا اور ہم نے اس کا ایسا جلال دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال" (۱:۱۴)

یہ یوحنا کی عبارت ہے، اور یوحنا چونکہ حواری ہیں اس لئے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تجسم کے عقیدے کا بانی پولس نہیں بلکہ حواریوں میں سے یوحنا بھی اس کا قائل تھا۔

یہ اعتراض خاصا وزنی ہوسکتا تھا، اگر انجیل یوحنا کم از کم اتنی مستند ہوتی جتنی پہلی تین انجیلیں ہیں، لیکن اتفاق سے انجیل یوحنا ہی ایک ایسی انجیل ہے جس کی اصلیت میں خود عیسائیوں کو ہمیشہ شک رہا ہے، دوسری صدی ہی سے عیسائیوں میں ایک بڑی جماعت اس انجیل کو یوحنا کی تصنیف ماننے سے انکار کرتی آئی ہے۔ اور آخری زمانے میں تو اس انجیل کی اصلیت کا مسئلہ ایک مستقل دردِ سر بن گیا تھا۔ بیسیوں کتابیں اس کی اصلیت کی تحقیق کے لئے لکھی گئی ہیں، اور ہزاروں صفحات اس پر بحث و مباحثہ میں سیاہ ہوئے ہیں۔ یہاں ہمارے لئے ان تمام بحثوں کا خلاصہ بیان کرنا بھی ممکن نہیں ہے لیکن اس سلسلے میں چند اہم نکات کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے۔

اس انجیل کے بارے میں سب سے پہلے آئرینیوس (م ۲۰۲ء) آرجین (م ۲۵۴ء) کلیمنٹ رومی (۲۰۰ء) اور مورخ یوسی بیس (۳۴۰ء) نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ یہ انجیل یوحنا حواری کی تصنیف ہے۔ لیکن اسی زمانے (۱۶۵ء) کے قریب میں عیسائیوں کا ایک گروہ اسے یوحنا کی تصنیف ماننے سے انکار کرتا تھا۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں اس گروہ کا حال ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

"جو لوگ انجیل یوحنا پر تنقید کرتے ہیں ان کے حق میں ایک مثبت شہادت یہ ہے کہ ایشیائے کوچک میں عیسائیوں کا ایک گروہ ایسا موجود تھا جو ۱۶۵ء کے لگ بھگ چوتھی انجیل کو یوحنا کی تصنیف ماننے سے انکار کرتا تھا، اور اسے سرنتھس کی طرف منسوب کرتا تھا، اس گروہ کی یہ نسبت تو بلا شبہ غلط ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ عیسائیوں کا ایک ایسا طبقہ جو اپنی تعداد کے لحاظ سے اتنا بڑا تھا کہ سینٹ ایپی فانیس نے ۳۷۴ء ۔ ۳۷۷ء میں اسے ایک طویل تذکرے کا مستحق سمجھا جو باقی تین انجیلوں کو مانتا تھا، جو غناسطی اور مونٹینسٹ فرقوں کا مخالف تھا، اور جو اپنے لئے کوئی الگ نام تجویز کرنے سے باز رہا، یہاں تک کہ بشپ نے اس کا نام "الوگی" (کلام والی انجیل کا مخالف) رکھ دیا۔ اگر انجیل یوحنا کی اصلیت غیر مشتبہ ہوتی تو کیا ایسا طبقہ اس جیسے زمانے اور اس جیسے ملک میں انجیل یوحنا کے بارے میں ایسے نظریات رکھ سکتا تھا؟ ——— یقیناً نہیں!"[۱]

پھر خود اس انجیل کی بعض اندرونی شہادتیں ایسی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب یوحنا حواری کی لکھی ہوئی نہیں ہے، مثلاً یہ کہ اس کتاب کا لکھنے والا یقیناً کوئی یہودی عالم ہے۔ اور یہودی خیالات و تصورات سے واقف ہے[۲]، لیکن یوحنا بن زبدی حواری اَن پڑھ اور ناواقف تھے (جیسا کہ اعمال ۴:۱۳ سے معلوم ہوتا ہے) نیز انجیل یوحنا سے معلوم ہوتا ہے کہ

---

[۱] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ص ۹۸۰ ج ۱۳، مقالہ "جان، گاسپل آف"

[۲] دیکھئے ۲:۲۴ و ۱۵:۶ و ۲:۹ و ۵:۹ و ۹:۴۳ و ۱:۲۱ و ۲۵:۷ و ۱۲:۱۶ و ۱۲:۴۲ و ۲۲:۷ و ۲۸:۱۸ و ۳۰:۱۹ وغیرہ۔

اس کا مصنف کسی بڑے صاحب رسوخ و اقتدار خاندان سے تعلق رکھتا تھا، حالانکہ یوحنا بن زبدی حواری ماہی گیر اور دنیوی اعتبار سے کم حیثیت تھے[1] علاوہ ازیں چوتھی انجیل اپنے مضامین کے لحاظ سے بھی پہلی تین انجیلوں سے تضاد رکھتی ہے اور اس کا اسلوب بھی بالکل جداگانہ ہے۔

اس انجیل کو یوحنا کی تصنیف قرار دینے والا پہلا شخص آرینوس ہے، اور اس کے بارے میں عیسائی علماء کا خیال یہ ہے کہ وہ دقتِ نظر اور تنقید کے معاملے میں کوئی بہت زیادہ قابل اعتماد عالم نہیں ہے۔

اس جیسی بہت سی وجوہ کی بنا پر آخر دور میں عیسائی علماء کی ایک کثیر جماعت اس بات کی قائل تھی کہ انجیل یوحنا جعلی تصنیف ہے اور اسے الہامی کتب میں شمار کرنا درست نہیں لیکن وہ عیسائی علماء جو اس انجیل کو درست مانتے اور اس کو من گھڑت ہونے کے الزام سے بچانا چاہتے ہیں ہمارے زمانے میں ان کی تقریباً متفقہ رائے یہ ہو گئی ہے کہ اس انجیل کا مصنف یوحنا بن زبدی حواری نہیں ہے۔ بلکہ یوحنا بزرگ (John the Elder) ہے جیمس میک کنن لکھتا ہے۔

"یہ بات بہت قرین قیاس ہے کہ آرینوس نے جس کی حقیقت پسندی اور تنقیدی نظر نمایاں نہیں ہے، یوحنا حواری کو یوحنا بزرگ کیساتھ غلط ملط کر دیا ہے[3]۔"

اور ہمارے ملک کے مشہور پادری اور صاحب تصانیف عیسائی عالم آرچ ڈیکن برکت اللہ صاحب لکھتے ہیں:

"بس ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہ روایت کہ انجیل چہارم مقدس یوحنا رسول ابن زبدی کی تصنیف ہے، صحیح نہیں ہو سکتی[4]۔"

اور آگے ایک جگہ لکھتے ہیں:

"حق تو یہ ہے کہ اب علماء اس نظریہ کو بے چون وچرا تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں کہ انجیل چہارم کا مصنف مقدس یوحنا بن زبدی رسول تھا اور عام طور پر نقاد اس نظریئے کے خلاف نظر آتے ہیں[5]"

انھوں نے اپنی کتاب میں بڑی تفصیل کے ساتھ اپنے اس دعویٰ کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ چوتھی انجیل کا مصنف "یوحنا رسول" نہیں تھا، بلکہ "یوحنا بزرگ" تھا انھیں یہ بات ثابت کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی، اس سوال کا جواب بھی انہیں کے اپنے الفاظ میں سُن لیجئے:

"جو علماء یہ مانتے ہیں کہ اس انجیل کو یوحنا بن زُبدی رسول نے لکھا ہے وہ بالعموم اس انجیل کی تواریخی اہمیت کے قائل نہیں اور ان کا نظریہ یہ ہے کہ انجیل چہارم تواریخی واقعات سے معرا ہے اور اس کے مکالمات مصنف کے اپنے ہیں جن کو وہ کلمۃ اللہ کے منہ میں ڈالتا ہے[6]"

گویا چونکہ چوتھی انجیل کو یوحنا بن زُبدی حواری کی تصنیف قرار دینے کے بعد اس کی اصلیت سخت خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ اس لئے پادری صاحب نے یہ ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ وہ "یوحنا بزرگ" کی تصنیف ہے، ان کی تحقیق یہ ہے کہ یوحنا بزرگ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک شاگرد تھے مگر بارہ حواریوں میں ان کا شمار نہیں ہے، بلکہ حضرت عیسیٰؑ نے بالکل آخر میں انھیں اپنی صحبت سے سرفراز فرمایا تھا[7] یہ یوحنا بزرگ نوجوان پڑھے لکھے، تورات کے عالم اور ایک معزز

---

1. دیکھئے ۱۰: ۱۵ تا ۱۷ و ۲/۳ ، ۱/۶ ، ۱۹/۳۸ ، ۶/۲۵ ، ۱۱/۱۴ ، ۱۲/۲ وغیرہ
2. برٹانیکا ص ۸۳ ج ۱۳ مقالہ: "جان"
3. From christ to Constantine P. 119 London 1936
4. قدامت و اصلیت اناجیل اربعہ ص ۱۳۱ ج ۲ پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی ۱۹۶۰ء
5. ایضاً ص ۱۴۱ ج ۲ ،
6. قدامت و اصلیت اناجیل اربعہ ص ۱۴۰ ج ۲ ،
7. ایضاً ص ۱۴۷ ج ۲

صدوقی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ اور انہی باتوں کا اظہار انہوں نے اپنی انجیل میں کیا ہے۔

یہ ہے وہ تحقیق جسے آج کی عیسائی دنیا میں قبولِ عام حاصل ہے اور جس کی بنا پر انہوں نے یوحنا حواری کو چوتھی انجیل کا مصنف ماننے سے صاف انکار کر دیا ہے۔

لیکن ہماری نظر میں یہ تحقیق بھی بہت بے وزن ہے، اور انجیل یوحنا کی اصلیت کو بچانے کے جذبے کے سوا اس کی پشت پر کوئی محرک ہمیں نظر نہیں آتا، سوال یہ ہے کہ اگر یوحنا بزرگ بارہ حواریوں کے علاوہ حضرت عیسیٰؑ کے کوئی اور شاگرد تھے تو اُن کا ذکر پہلی تین انجیلوں سے کیوں غائب ہے؟ چوتھی انجیل سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مصنف حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے نہ صرف بہت قریبی تعلق رکھتا بلکہ حضرت مسیح علیہ السلام سے ان کی بے تکلفی کا عالم یہ تھا کہ خود لکھتے ہیں:

"اس کے شاگردوں میں سے ایک شخص جس سے یسوع محبت کرتا تھا یسوع کے سینے کی طرف جھکا ہوا کھانا کھانے بیٹھا تھا" (یوحنا ۱۳/۲۳)

اور آگے لکھا ہے:

اس نے اسی طرح یسوع کی چھاتی کا سہارا لیکر کہا کہ اے خداوند وہ کون ہے؟ (۱۳/۲۵)

بارہ حواریوں میں سے کسی کو کبھی یہ جرأت نہیں ہوئی کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے سینہ پر سوار ہو کر کھانا کھائیں، مگر یہ شاگرد اتنے چہیتے اور محبوب تھے کہ انہیں اس بے تکلفی میں کوئی قباحت محسوس نہیں ہوئی ــــ جب حضرت مسیح علیہ السلام سے ان کے قرب کا عالم یہ تھا تو پہلا سوال تو یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ نے انہیں باقاعدہ حواریوں میں کیوں شامل نہیں فرمایا؟ کیا یہ بات قابلِ تسلیم ہو سکتی ہے کہ یہوداہ اسکریوتی جیسا شخص جو بقول اناجیل چور تھا (یوحنا ۱۲/۶) اور جس نے حضرت مسیح علیہ السلام کو گرفتار کروایا (لوقا ۲۲/۴۷ وغیرہ) وہ تو بارہ مقرب حواریوں میں شمار ہو، اور حضرت مسیحؑ کا اتنا بے تکلف شاگرد جو ان کے سینے پر سر رکھ کر کھانا کھا سکتا ہو، اور حضرت مسیح علیہ السلام کے عروجِ آسمانی کے وقت پطرس کو سب سے زیادہ اسی کی فکر ہو کہ حضرت مسیحؑ کے فراق میں اس کا کیا حال ہوگا؟ (یوحنا ۲۱/۲۱) وہ باقاعدہ حواریوں میں شامل نہ ہو؟

دوسرے اس کی کیا وجہ ہے کہ پہلی تین انجیلیں جو عیسائی حضرات کے نزدیک حضرت مسیح علیہ السلام کی مکمل سوانح حیات ہیں۔ اور جن میں آپ سے تعلق رکھنے والے معمولی معمولی انسانوں کا مفصل ذکر ہے، جن میں مریم، مرتھا، لعزر، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گدھی تک کا ذکر موجود ہے، ان انجیلوں میں حضرت مسیحؑ کے اس محبوب شاگرد کا کوئی ادنیٰ سا ذکر بھی نہیں ہے۔

پھر اگر "یوحنا بزرگ" کے نام کا کوئی شاگرد "یوحنا حواری" کے علاوہ موجود تھا تو کیا یہ ضروری نہیں تھا کہ اناجیل اربعہ کے مصنفین "یوحنا بن زبدی" اور "یوحنا بزرگ" کا فرق واضح کر کے بیان کرتے، تاکہ کسی کو اشتباہ نہ ہو، ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ کے شاگردوں میں یعقوب نام کے دو شخص تھے، یعقوب بن زبدی اور یعقوب بن حلفئی، اسی طرح یہوداہ نام کے دو شخص تھے، یہوداہ بن یعقوب اور یہوداہ اسکریوتی۔ ان دونوں سے اشتباہ کو رفع کرنے کے لئے انجیل کے مصنفوں نے خاص اہتمام کر کے انہیں الگ الگ ذکر کیا ہے، تاکہ کوئی ان دونوں کو خلط ملط نہ کر دے (دیکھئے متی ۱۰/۲ و مرقس ۳: ۱۶-۱۹ و لوقا ۶: ۱۴-۱۶ و اعمال ۱/۱۳)

اگر یوحنا نام کے بھی دو شخص حضرت عیسیٰؑ کے شاگرد تھے تو انجیل کے مصنفوں نے یعقوب اور یہوداہ کی طرح ان سے اشتباہ کیوں رفع نہیں کیا؟

اس کے علاوہ اگر "یوحنا بزرگ" نامی کوئی شخص حضرت

لہ یہاں یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ اس واقعے میں چوتھی انجیل کے سوا کسی انجیل میں اس شاگرد کے اس طرح کھانا کھانے اور سوال کرنے کا ذکر نہیں ہے (دیکھئے متی ۲۶/۲۲ و مرقس ۱۴/۱۹ و لوقا ۲۲/۲۳)

عیسیٰ علیہ السلام کا محبوب شاگرد تھا تو وہ حضرت مسیحؑ کے عروج آسمانی کے بعد کہاں گیا؟ آپؑ کے بعد آپؑ کے حواریوں نے عیسائیت کی تعلیم و تبلیغ میں جو سرگرمیاں دکھائیں ان کا مفصل حال کتاب اعمال میں موجود ہے، اور اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ممتاز شاگردوں کی سرگذشت پائی جاتی ہے، لیکن اس کتاب میں بھی "یوحنا بزرگ" نام کا کوئی شخص نظر نہیں پڑتا، یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے عروج آسمانی کے فوراً بعد اس کی وفات ہو گئی تھی، کیونکہ انجیل یوحنا حضرت مسیحؑ کے بہت بعد لکھی گئی ہے، اور اس میں اس بات کی تصریح ہے کہ حواریوں کے درمیان یہ بات مشہور ہو گئی تھی کہ چوتھی انجیل کا مصنف یوحنا قیامت تک نہیں مرے گا (یوحنا ۲۱/۲۲) چنانچہ تمام وہ عیسائی علماء جو "یوحنا بزرگ" کو "یوحنا بن زبدی" سے الگ کوئی شخصیت جانتے ہیں، وہ اس بات کے قائل ہیں کہ یوحنا بزرگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کافی بعد تک زندہ رہا، یہاں تک کہ پولیکارپ (Poly carp) اس کا شاگرد بنا۔

یہ وہ ناقابل انکار شواہد ہیں جن کی روشنی میں یہ دعویٰ بالکل بے بنیاد معلوم ہونے لگتا ہے کہ یوحنا بزرگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی شاگرد تھا۔

رہا وہ جملہ جو انجیل یوحنا کے بالکل آخر میں مذکور ہے، یعنی:

"یہ وہی شاگرد ہے جو ان باتوں کی گواہی دیتا ہے، اور جس نے ان کو لکھا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ اس کی گواہی سچی ہے" (یوحنا ۲۱/۲۴)

سو اس کے بارے میں عیسائی محققین کی اکثریت کا خیال یہ ہے کہ یہ جملہ انجیل یوحنا کے مصنف کا نہیں ہے، بلکہ بعد میں کسی نے بڑھا دیا ہے، بائبل کا مشہور مفسر ویسٹ کاٹ (Westcott) بائبل پر تنقید کرنے کے معاملے میں بہت محتاط اور رجعت پسند نقطۂ نظر کا حامی ہے، مگر یہاں وہ بھی لکھتا ہے کہ:

"ان دو آیتوں کے بارے میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ در حقیقت وہ حاشیے ہیں جو انجیل کی اشاعت سے قبل اس میں بڑھا دیئے گئے تھے، اگر آیت ۲۴ کا مقابلہ ۱۹/۳۵ سے کر کے دیکھا جائے تو نتیجہ خیز طور پر یہ بات نظر آتی ہے کہ یہ شہادت انجیل کے مصنف کی نہیں ہے۔ غالباً یہ الفاظ افسس کے بزرگوں نے بڑھا دیئے تھے۔"[1]

عہد حاضر کے مشہور مصنف بشپ گور (Bishop Gore) بھی اس کی تائید کرتے ہیں[2]

اور یہی وجہ ہے کہ یہ دو آیتیں نسخۂ سینائی ٹکس (Codex Sinaiticus)[3] میں موجود نہیں ہیں۔ لہٰذا اس جملہ کی بنیاد پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا لکھنے والا حضرت مسیح علیہ السلام کا کوئی شاگرد ہے۔

مذکورہ بالا اشارات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ چوتھی انجیل کا مصنف نہ یوحنا بن زبدی حواری ہے، نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کوئی اور قابل ذکر شاگرد[4]، بلکہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ چوتھی انجیل کا مصنف حواریوں کے بہت بعد کا کوئی شخص ہے جس نے پولیکرپ یا اس کے کسی شاگرد سے علم حاصل کیا تھا۔

۱۔ Quoted By B. H. Streeter The Four Gospels P. 430 Macmillan New York 1961

۲۔ See Belief in Christ P. 106

۳۔ The Four Gospels P. 431

۴۔ بلکہ فرانسیسی انسائیکلو پیڈیا میں تو یہاں تک کہا گیا ہے کہ پوری انجیل یوحنا خود لوکس کی تصنیف ہے جسے یوحنا حواری کی طرف منسوب کر دیا ہے (دیکھئے مقدمہ انجیل برناباس از سید رشید رضا مصری مرحوم مطبوعہ قاہرہ)

اور بقول مفسر "ولسٹ کاٹ" افسس کے بزرگوں نے
اسے یوحنا حواری کی طرف منسوب کرنے کے لئے کچھ ایسے جملے
بڑھا دیئے جن سے مصنف کا عینی شاہد ہونا معلوم ہوتا ہو
تاکہ اپنے زمانے کے بعض ان غناسطی فرقوں (Gnostics)
کے خلاف حجت قائم کی جا سکے جو حضرت مسیح علیہ السلام
کی خدائی کے قائل نہیں تھے۔ اور یہ بات اب علمی دنیا
میں ایک ناقابلِ انکار حقیقت بن کر سامنے آ گئی ہے
کہ اس زمانے میں مخالف فرقوں سے مناظرے کے دوران
مقدس نوشتوں میں اس قسم کی ترمیمیں مسلسل ہوتی رہی
ہیں، عہد حاضر کے مشہور عیسائی محقق پروفیسر برنٹ ہلمین
اسٹریٹر اپنی فاضلانہ تصنیف "اناجیل اربعہ" (The
Four Gospels) میں کتنی وضاحت کے
ساتھ لکھتے ہیں کہ

"لہٰذا اگر چوتھی انجیل میں ہمیں متن کے اندر
کوئی ایسا اضافہ ملتا ہے جس کے ذریعہ اس کے
مصنف کی واضح نشاندہی کی گئی ہے، مگر
اس کے بارے میں یہ اعتراف کر لیا گیا ہے
کہ وہ اصل مصنف کا نہیں ہے، تو کیا یہ بات
بہت قرین قیاس نہیں ہے کہ یہ اضافہ
انجیل کی تصنیف کے کچھ بعد کا ہے، اور
شاید دوسرے مقامات پر بھی کر لیا گیا تھا
اور اس کا مقصد یہ تھا کہ اس انجیل کے مصنف
کے بارے میں اس نقطۂ نظر کو منوایا جائے
جس سے اس زمانے کے کچھ لوگ انکار کرتے
تھے، اور دوسری صدی میں اختلاف کا
پایا جانا ہم آگے بالاختصار بیان کریں گے۔

مذکورہ بیان کی روشنی میں انجیل یوحنا کا
یہ جملہ کہ: "یہ وہی شاگرد ہے .... جس نے
ان کو لکھا ہے ..... اس کو یوں سمجھنا چاہئے،
کہ یہ ایک متنازعہ مسئلہ حل کرنے کی ایک
کوشش تھی، اور اس سے اس بات کا مزید
ثبوت ملتا ہے کہ اس زمانے میں بھی اس
انجیل کے مصنف کے بارے میں شکوک
اور اختلافات پائے جاتے تھے[1]۔

لہٰذا ایسے ماحول میں یہ بات بھی چنداں محل تعجب نہیں
ہے کہ انجیل یوحنا اور یوحنا کے خطوط کسی پولس کے
شاگرد نے لکھے ہوں۔ اور بعد کے لوگوں نے ان میں
ایسے جملوں کا اضافہ کر دیا ہو جن سے مصنف کا حضرت
مسیح ؑ کا عینی شاہد ہونا معلوم ہو۔

اُس زمانے کے عام رجحان کے پیش نظر تو ہمیں
یہی بات درست معلوم ہوتی ہے، لیکن خالص رجعت
پسندانہ عیسائی نقطۂ نظر اختیار کرتے ہوئے اس انجیل
کے بارے میں پورے حسن ظن کے ساتھ زیادہ سے زیادہ
جو بات کہی جا سکتی ہے وہ ڈاکٹر بیکن کا یہ خیال ہے
کہ چوتھی انجیل یوحنا بزرگ ہی کی لکھی ہوئی ہے، مگر
وہ براہ راست حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا شاگرد ہونے
کے بجائے ان کے شاگردوں کا شاگرد تھا[2]۔

اور اگر بہت زیادہ حسن ظن سے کام لیا جائے تو
پروفیسر اسٹریٹر کا یہ نقطۂ نظر اختیار کیا جا سکتا ہے کہ انجیل
یوحنا کا مصنف یوحنا بزرگ ہے مگر۔

"پے پیاس (Papias) نے یوحنا
بزرگ کو خداوند کا شاگرد قرار دیا ہے
اور پولیکارپ نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ
وہ ایسا شخص تھا جس نے خداوند کو دیکھا تھا،

---

[1] B.H. Streeter. The Four Gospels P. 431

[2] Quoted by Streeter Four Gospels P. 443

اس نے خداوند سے یروشلم میں شناسائی حاصل کی ہوگی (۱۔ یوحنا ۱:۱) لیکن شاید وہ خداوند کو دیکھنے سے زیادہ اس سے کچھ حاصل نہیں کر سکا، اس لئے کہ وہ اس وقت بارہ سال کا لڑکا رہا ہوگا جسے اس کے والدین عید فسح کے موقعہ پر یروشلم لے آئے تھے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ لڑکا اس ہجوم میں شریک ہو جو یسوع مسیح کو پھانسی پر چڑھتے دیکھا تھا ۔۔۔ کیونکہ اس زمانے کے لوگ بچوں کو اس قسم کے نظاروں سے دور رکھنے کا کوئی اہتمام نہیں کرتے تھے، اس صورت میں ۹۵ء کے اندر وہ ستر سال کی عمر کو پہنچ گیا ہوگا، یوحنا کا پہلا خط یقینی طور پر کسی عمر رسیدہ انسان کا لکھا ہوا ہے جو ایک ہی پیراگراف میں "بھائیو" کے لفظ سے گذر کر "میرے بچو!" کا لفظ استعمال کر سکتا ہے (۱۔ یوحنا ۳: ۱۳ و ۱۸) یہ آخری ٹکڑا (میرے بچو) ستر سال سے کم عمر کا آدمی مشکل ہی سے لکھ سکتا ہو۔۔۔۔

۔۔۔۔ لہٰذا یہ تسلیم کرنے میں کوئی مشکل نہیں ہو کہ یوحنا بزرگ نے یہ انجیل ۹۰ء اور ۹۵ء کے دوران کسی وقت لکھی تھی جبکہ اس کی عمر ستر برس یا اس سے کچھ اوپر تھی" (Ibid. P. 456)

نتائج یہ وہ خالص رجعت پسند عیسائی نقطۂ نظر ہے جو انجیل یوحنا کو جعلی قرار دینے سے بچانے کی آخری کوشش کہا جا سکتا ہے اس نقطۂ نظر میں جو کھینچ تان کی گئی ہے، اگر اس سے قطع نظر کر کے ہم اس کو جوں کا توں تسلیم کر لیں تب بھی اس سے مندرجۂ ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

(۱) انجیل یوحنا کا مصنف یوحنا بن زبدی حواری نہیں ہے، بلکہ یوحنا بزرگ ہے۔

(۲) یوحنا بزرگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے نہیں ہے۔

(۳) یوحنا بزرگ نے صرف ایک مرتبہ بارہ سال کی عمر میں حضرت مسیح ؑ کو صرف دیکھا تھا، ان کی خدمت میں رہنے اور ان کی تعلیمات سننے کا اسے موقع نہیں ملا۔

(۴) یوحنا بزرگ نے آخری بار حضرت مسیح ؑ کو مصلوب ہوتے ہوئے دیکھا۔

(۵) وہ یروشلم کا باشندہ نہیں تھا، (بلکہ کنعان کے جنوبی علاقے کا باشندہ تھا)[1]

(۶) حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد ۹۵ء تک اس کا کچھ حال معلوم نہیں کہ وہ کہاں رہتا تھا؟ کس سے اس نے علم حاصل کیا؟ کس کی صحبت اٹھائی؟ اور حواریوں کے ساتھ اس کے تعلق کی نوعیت کیا تھی؟

(۷) ۹۵ء کے لگ بھگ ستر سال کی عمر میں اس نے انجیل یوحنا تصنیف کی جس میں پہلی بار عقیدۂ حلول و تجسم کو بیان کیا گیا۔

(۸) بعد میں افسس کے بزرگوں نے اس انجیل کے آخر میں ایک ایسا جملہ بڑھا دیا جس سے یہ ظاہر ہو کہ اس کا لکھنے والا یوحنا بن زبدی حواری ہے، یا حضرت مسیح ؑ کا کوئی محبوب شاگرد ہے۔

یہ وہ نتائج ہیں جن میں ہمارے اپنے قیاس کو کوئی دخل نہیں ہے بلکہ خود عیسائی علماء انجیل یوحنا کو جعلی قرار پانے سے بچانے کے لئے انھیں ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، ان نتائج کی روشنی میں مندرجۂ ذیل باتیں ناقابلِ انکار طریقے سے پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہیں۔

(۱) حلول و تجسم کا عقیدہ حضرت مسیح علیہ السلام یا ان کے کسی حواری سے ثابت نہیں ہے۔

(۲) اس عقیدے کو حضرت مسیح علیہ السلام کی سوانح حیات میں سب سے پہلے ایک ایسے شخص نے لکھا جس نے بارہ سال کی عمر میں حضرت مسیح ؑ کو صرف دیکھا تھا

---

[1] پادری برکت اللہ ایم۔ اے: قدامت و اصلیت اناجیل اربعہ ص ۳۴۲ ج ۲ لاہور ۱۹۶۰ء

ان سے مل کر کوئی تعلیم حاصل نہیں کی تھی۔

(۳) جو شخص یہ عقیدہ پیش کر رہا ہے وہ مجہول الحال ہے، یعنی اس کی ان تحریرات کے علاوہ اس کا کچھ حال ہمیں معلوم نہیں کہ وہ کس مزاج اور مذاق کا آدمی تھا، کیا نظریات رکھتا تھا؟ یہ عقیدہ اس نے خود وضع کیا تھا یا کسی اور سے سنا تھا؟ اس کی زندگی کہاں بسر ہوئی تھی؟ حواریوں سے اس کے کیا تعلقات تھے؟

(۴) یہ عقیدہ اس نے ۹۵ء میں انجیل کے اندر داخل کیا جبکہ اس کی عمر ستر سال تھی اور اس وقت پولس کے انتقال کو اٹھائیس سال گذر چکے تھے۔[1]

(۵) چونکہ پولس کا انتقال اس سے پہلے ہو گیا تھا اور اس نے عقیدۂ حلول و تجسم اپنے خطوط میں واضح طور سے بیان کیا ہے۔ اس لئے اس عقیدے کو سب سے پہلے بیان کرنے والا یوحنا بزرگ نہیں ہے، بلکہ پولس ہے

نعت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم

(از مولانا عبد العزیز شوقی)

حسرت ہے نعت پڑھتا رہوں مصطفےٰ کی میں
لکھتا رہوں صفات رسولِ خدا کی میں

مٹتا رہوں طریقۂ خیر الانام پر
کرتا رہوں تلاش فنا میں بقا کی میں

سودا ہے سر میں عشق رسولؐ کریم کا
رکھتا ہوں دل میں چاہ حبیب خدا کی میں

کیسے نہ مجھکو ناز ہو اپنے نصیب پر
امت میں ہوں جناب شہِ دوسرا کی میں

سایہ ہے مجھ پہ رحمتِ پروردگار کا
تسبیح پڑھ رہا ہوں جو صلِّ علیٰ کی میں

افسانۂ جمالِ پیمبرؐ کو چھیڑ کر
تفسیر کر رہا ہوں رقم والضحیٰ کی میں

تھے جس کے مقتدی شبِ معراج سب رسول
تقلید کر رہا ہوں اُسی مقتدیٰ کی میں

مر مر کے ہجر شاہِ رسالت مآب میں
تکمیل کر رہا ہوں مذاقِ فنا کی میں

مجھکو جہان و اہلِ جہاں کی خبر نہیں
اُلفت میں محو ہوں شہِ خیر الوریٰ کی میں

شوقی جناب شافعِ محشر کا ہوں غلام
پھر فکر کیا کروں غمِ روزِ جزا کی میں

پاکستان کا مقصد وجود

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی ایک یادگار تقریر

ذیل میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کی وہ معرکۃ الآرا تقریر پیش خدمت ہے جو قرارداد مقاصد کی منظوری کے واقعہ پر انھوں نے ۹ مارچ ۱۹۴۹ء کو دستور ساز اسمبلی میں کی تھی۔ امید ہے کہ استقلال پاکستان کی اکیسویں سالگرہ کے موقعہ پر اس تقریر کے فکر انگیز مضامین اور اس کا مؤثر و دلنشین انداز بیان قیام پاکستان کے اصل مقاصد یاد کرنے میں معاون ثابت ہوں گے۔

ادارہ

جناب صدر محترم!

قرارداد مقاصد کے اعتبار سے جو مقدس اور محتاط تجویز آنریبل مسٹر لیاقت علیخاں صاحب نے ایوان ہذا کے سامنے پیش کی ہے، میں نہ صرف اس کی تائید کرتا ہوں بلکہ آج اس بیسویں صدی میں جب کہ ملحدانہ نظریات حیات کی شدید کشمکش اپنے انتہائی نقطۂ عروج تک پہنچ چکی ہیں ایسی چیز کے پیش کرنے پر میں موصوف کے عزم وہمت اور جرأت ایمانی کو مبارکباد دیتا ہوں۔

اگر غور کیا جائے تو یہ مبارکباد فی الحقیقت میری ذات کی طرف سے نہیں بلکہ اسی پسی ہوئی اور کچلی ہوئی روح انسانیت کی جانب سے ہے جو خالص مادہ پرست طاقتوں کی حریفانہ حرص و آز اور رقیبانہ ہوسناکیوں کے میدان کارزار میں مدتوں سے پڑی کراہ رہی ہے۔ اس کے کراہنے کی آ[واز] اس قدر درد انگیز ہیں کہ بعض اوقات اس کے سنگدل [...] بھی گھبرا اٹھتے ہیں۔ اور اپنی جارحانہ حرکات پر نادم ہو[کر] دیر کے لئے مداوا تلاش کرنے لگتے ہیں، مگر پھر علاج [...] کی جستجو میں وہ اس لئے ناکام رہتے ہیں کہ مرض کے [...] سبب ہی کو دوا اور اکسیر شفا سمجھ لیا جاتا ہے یہ تو [...] بات ہوئی۔

میرؔ کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں

یاد رکھئے دنیا اپنے خود ساختہ اصولوں سے جس جال [میں] پھنس چکی ہے اس سے نکلنے کے لئے جس قدر پھڑ[پھڑا رہی ہے] اسی قدر جال کے حلقوں کی گرفت اور زیادہ سخت ہو[تی جاتی ہے]

صحیح راستہ گم کرچکی ہے۔ جو راستہ اب اختیار کر رکھا ہے اس پر جتنے زور سے بھاگے گی وہ حقیقی فوز وفلاح کی منزل سے دور ہی ہوتی جائے گی۔

ہم کو اپنے نظام حیات کو درست و کامیاب بنانے کے لئے ضروری ہے کہ ہمارا انجن جس لائن پر اندھا دھند چلایا جا رہا ہے اسے تبدیل کریں اور جس طرح بعض دفعہ لائن تبدیل کرتے وقت گاڑی کو کچھ پیچھے ہٹانا پڑتا ہے۔ ایسے ہی صحیح راہ پر آگے بڑھنے کی غرض سے ہم کو پیچھے ہٹنا پڑے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اگر ایک شخص کسی راستہ پر بے تحاشا دوڑ رہا ہے۔ اور ہم دیکھیں کہ چند قدم آگے بڑھنے پر وہ کسی ہلاکت خیز گڑھے میں جا پڑے گا۔ تو ہم خاموش نہیں رہ سکتے۔ اسے ادھر سے پیچھے ہٹا کر صاف اور سیدھی راہ پر ڈالنے کی کوشش کریں گے یہی حال آج دنیا کا ہے۔ اگر ہماری اس نئی اور پرانی دنیا کو اپنے تباہ کن مصائب سے چھٹکارا حاصل کرنا ہے تو اسے حالات کا بالکل جڑ اور بنیاد سے از سر نو جائزہ لینا ہوگا، کسی درخت کی شاخوں اور پتوں پر پانی چھڑکتے رہنا بیکار ہے۔ اگر اس کی جڑ جو سینکڑوں من مٹی کے نیچے دبی ہوئی ہے، مضبوط نہ ہو۔ آج کے بہت سے بکھرے ہوئے مسائل خواہ اُن سے آپ کو کتنی دلچسپی اور شغف کیوں نہ ہو کبھی ٹھیک طور پر سنور اور سُلجھ نہیں سکتے۔ جب تک بنیادی اصول بلکہ اصل الاصول درست نہ ہو جائیں، قدامت اور رجعت پسندی کے طعنوں سے نہ گھبرائیے، بلکہ کھلے دل و دماغ کے ساتھ ایک متجسس حق کی طرح الجھی ہوئی ڈور کا سرا پکڑنے کی کوشش کیجئے۔

جو باتیں طاقتور اور ذی اقتدار قوموں کے زبردست پروپیگنڈا یا غیر شعوری طور پر ان کے حاکمانہ اقتدار اور ان کی مادی ترقیات کے زور و اثر سے بطور مسلّمات عامہ موضوعہ اور مفروغ عنہا صداقتوں کے تسلیم کرلی گئی ہیں ان پر تجدید فکر و نظر کی ضرورت ہے، اس پکے ارادے کے ساتھ کہ جس چیز پر ہم صدیوں کی کاوشوں کے نتیجے میں اعتقاد جمائے بیٹھے تھے۔ وضوح حق کے بعد ایک لمحے کے لئے اس پر قائم رہنا ہم جرم عظیم سمجھیں گے۔ اگر دنیا کو انسانیت کی حقیقی فلاح کے لئے کسی نتیجہ پر پہنچنا ہے تو اسے ان قدیم اور اٹل نظریات پر ضرور غور کرنا ہوگا، جنھیں مادی و معاشی مسابقت کی بے تحاشہ دوڑ میں بہت سی قومیں پیچھے چھوڑ آئی ہیں۔ اسے یوں خیال کیجئے کہ کتنی صدیوں تک سکون ارض کے متعلق بطلیموس کا نظریہ دنیا پر مستولی رہا فیثاغورس کی آواز پر کسی نے توجہ نہ کی۔ پھر ایک وقت آیا کہ ہزاروں من مٹی کے نیچے دبا ہوا بیج جو فیثاغورس دبا گیا تھا، زمین کے سینے کو چاک کرکے باہر نکلا اور برگ و بار لاکر رہا، سچائی کا پرستار کبھی اس کی پروا نہیں کرتا کہ کسی زمانہ میں یا طویل عرصہ تک لوگ اس کے ماننے سے آنکھیں چرائیں گے یا ناک بھوں چڑھائیں گے۔ حق اکیلا رہ کر بھی حق ہی رہتا ہے۔ ہمارا یقین ہے کہ ایک دن ضرور آئیگا جب اس کے جھٹلانے والے زمانہ کے دھکے مُکے کھا کر اسی کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہوں گے، آج وہ دن قریب آرہا ہے اور جیسا کہ آنریبل مسٹر لیاقت علی خاں نے فرمایا۔ روشنی کی تحریر افق پر ظاہر ہو کر طلوع ہونے والے روز روشن کا پیش خیمہ بن رہی ہے، ضرورت ہے کہ ہم اپنے کو خفاش صفت ثابت نہ کریں جو دن کی روشنی کو دیکھنے کی تاب نہیں لاسکتی۔ پاکستان مادیت کے بھنور میں پھنسی ہوئی اور دہریت والحاد کی اندھیریوں میں بھٹکی ہوئی دنیا کو روشنی کا ایک مینارہ دکھانا چاہتا ہے۔ یہ دنیا کے لئے کوئی چیلنج نہیں بلکہ انسانیت کے لئے پُر امن پیغام حیات و نجات ہے اور اطمینان اور خوشحالی کی راہ تلاش کرنے والوں کے لئے سہولت مہیا کرتا ہے، ہمارا غیر متزلزل عقیدہ ہے کہ دنیا کے لئے عموماً اور پاکستان کے لئے خصوصاً کسی قسم کا نظام تجویز کرنے سے پہلے پوری قطعیت کے ساتھ یہ جان لینا ضروری ہے

کہ اس تمام کائنات کا جس میں ہم سب اور ہماری یہ مملکت بھی شامل ہے، مالک اصلی اور حاکم حقیقی کون ہے، اور ہے بھی یا نہیں، اب اگر ہم اس کا مالک کسی خالق اکمل اور مقتدر اعلیٰ ہستی کو مانتے ہیں (جیسا کہ میں خیال رکھتا ہوں کہ اس ایوان کے تمام ارکان واعضاء کا یہ عقیدہ ہوگا) تو ہمارے لئے یہ تسلیم کرنا ناگزیر ہوگا۔ کہ کسی مالک کی خصوصاً اس ملک علی الاطلاق کی ملک میں، ہم اسی حد تک تصرف کرنے کے مجاز ہیں، جہاں تک کہ وہ اپنی مرضی سے ہمیں اجازت دیدے ملک غیر میں کوئی غاصبانہ تصرف ہمارے لئے جائز نہیں ہو سکتا پھر ظاہر ہے کہ کسی مالک کی اجازت و مرضی کا علم اس کے بتلانے ہی سے ہو سکتا ہے، سو اللہ تعالےٰ نے پیغمبر اسی لئے بھیجے اور وحی ربانی کا سلسلہ اسی لئے قائم کیا کہ انسانوں کو اس کی مرضی اور اجازت کے صحیح حدود معلوم کرادی جائیں۔ اسی نقطۂ خیال کے پیش نظر ریزولیوشن میں "اسی کے مقرر کردہ حدود کے اندر" الفاظ رکھے گئے ہیں اور یہی وہ بنیادی نقطہ ہے جہاں سے دینی اور خالص مادی حکومتوں کی لائنیں ایک دوسرے سے الگ ہو جاتی ہیں۔ یہ نظریہ کہ دین و مذہب کا تعلق انسان اور اس کے مالک سے ہے بندوں کے معاملات سے اُسے کچھ سروکار نہیں، نہ سیاست میں اس کا کوئی دخل ہے۔ اسلام نے کبھی تسلیم نہیں کیا، ممکن ہو دوسرے مذاہب جو آج کل دنیا میں موجود ہیں۔ ان کے نزدیک یہ نظریہ درست ہو اور وہ خود کسی جامع وحاوی نظام حیات سے تہی دامن ہوں، مگر جہاں تک اسلام کا تعلق ہے۔ ایسے تصور کی اس میں کوئی گنجائش نہیں، بلکہ اس کی تمام تر تعلیمات اس باطل تصور کی دشمن ہیں۔ قائد اعظم مرحوم نے اگست ۱۹۴۴ء میں گاندھی جی کے نام جو خط لکھا تھا اس میں لکھتے ہیں۔

قرآن مسلمانوں کا ضابطۂ حیات ہے۔ اس میں مذہبی اور مجلسی، دیوانی اور فوجداری، عسکری اور تعزیری، معاشی اور معاشرتی غرض کہ سب شعبوں کے احکام موجود ہیں مذہبی رسوم سے لے کر روزانہ کے امور حیات تک روح کی نجات سے لیکر جسم کی صحت تک جماعت کے حقوق سے لیکر فرد کے حقوق و فرائض تک دنیوی زندگی میں جزا و سزا سے لے کر عقبیٰ کی جزا و سزا تک ہر فعل و قول اور حرکت پر مکمل احکام کا مجموعہ ہے، لہٰذا جب میں یہ کہتا ہوں کہ مسلمان ایک قوم ہیں تو حیات و مابعد حیات کے ہر معیار اور ہر مقدار کو مد نظر رکھ کر کہتا ہوں۔

۱۹۴۵ء میں قائد اعظم نے عید کا پیغام دیتے ہوئے کہا کہ۔

"ہر مسلمان جانتا ہے کہ قرآنی تعلیمات محض عبادات واخلاقیات تک محدود نہیں، بلکہ قرآن کریم مسلمانوں کا دین وایمان اور قانون حیات ہے یعنی مذہبی معاشرتی تجارتی، تمدنی، عسکری، عدالتی اور تعزیری احکام کا مجموعہ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم کو یہ حکم ہے کہ ہر مسلمان کے پاس اللہ کے کلام پاک کا ایک نسخہ ضرور ہو اور وہ اس کا بغور و خوض مطالعہ کرے۔ تاکہ یہ اس کی انفرادی اور اجتماعی ہدایت کا باعث بھی ہو۔ قائد اعظم نے ان خیالات و عزائم کا بار بار اظہار کیا ہے۔ کیا ایسی واضح اور مکرر تصریحات کے بعد کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ سیاست و حکومت کا مذہب سے کوئی علاقہ نہیں رکھتیں یا یہ کہ اگر آج قائد اعظم زندہ ہوتے تو یہ تجویز مقاصد پیش نہیں ہو سکتی تھی، قرآن حکیم کا صاف صاف ارشاد ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝ اور وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ ...... الظّٰلِمُونَ الْفٰسِقُونَ"

اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اسلام میں دینی حکومت
کے معنی "پاپائیت" یا کلیسائی حکومت" کے نہیں۔ بھلا
جس بت کو قرآن نے ۔

اتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ -

کہہ کر توڑا ہے کیا وہ اسی کی پرستش کو جائز رکھ سکتا ہے۔

اسلامی حکومت سے مراد وہ حکومت ہے جو اسلام
کے بتائے ہوئے اعلیٰ اور پاکیزہ اصول پر چلائی جائے
اس لحاظ سے وہ ایک خاص قسم کی اصولی حکومت ہوگی
ظاہر ہے کہ کسی اصولی حکومت کو چلانا خواہ مذہبی ہو یا
غیر مذہبی (جیسے روس کی اشتراکی حکومت) دراصل ان
ہی لوگوں کا کام ہو سکتا ہے، جو ان اصولوں کو مانتے ہوں
جو لوگ ان اصولوں کو نہیں مانتے۔ ایسی حکومت انتظام
مملکت میں ان کی خدمات تو ضرور حاصل کر سکتی ہے، مگر
مملکت کی جنرل پالیسی یا کلیدی نظام کی باگ اُن کے
ہاتھ میں نہیں چھوڑ سکتی۔ اسلامی حکومت اصل میں انسانی
حکومت نہیں۔ بلکہ نیابتی حکومت ہے اصل حاکم خدا ہے
انسان زمین پر اس کا خلیفہ (نائب) ہے جو حکومت کے
اصول پر دوسرے مذہبی فرائض کی طرح نیابت کی ذمہ
داریوں کو بھی خدا کے مقرر کردہ حدود کے اندر پورا کرتا ہے

مکمل اسلامی حکومت، حکومت راشدہ ہوتی
ہے۔ لفظ "رشد" حکومت کے انتہائی اعلیٰ معیار
حسن و خوبی کو ظاہر کرتا ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ حکومت
حکومت کے کارکن اور مملکت کے عوام کو نیکو کار ہونا چاہئے
قرآن نے حکومت اسلامی کی یہی غرض و غایت قرار دی ہے
کہ وہ انسانوں کو اپنے دائرہ اقتدار میں نیکیوں کا حکم دے
اور برائیوں سے روکے۔ اسلام آج کل کی سرمایہ پرستی
کے خلاف ہے۔ اسلامی حکومت اپنے خاص طریقوں
سے جو اشتراکی طریقوں سے الگ ہیں: جمع شدہ سرمایہ
کی مناسب تقسیم کا حکم دیتی ہے۔ اس کو دائرہ و سائر
رکھنا چاہتی ہے۔ مگر اس کام کو اخلاقی، نیز قانونی طریقوں
پر عام خوش دلی، عدل اور اعتدال کے ساتھ کرتی ہے
اسلامی حکومت شخصی ملکیت کی نفی نہیں کرتی۔ مناسب
حد تک راس المال رکھنے کی اجازت دیتی ہے، زائد سرمایہ
کے لئے ملی بیت المال قائم کرتی ہے جس میں سب کے
حقوق مشترک ہیں، اور اس سرمائے کی تقسیم سے سرمایہ اور
افلاس کے درمیان توازن اور اعتدال کو بحال رکھتی ہے۔

شوریٰ اسلامی حکومت کی اصل ہے وَاَمْرُهُمْ
شُوْرٰى بَيْنَهُمْ اسلامی حکومت دنیا میں پہلا ادارہ ہے
جس نے شہنشاہیت کو ختم کر کے استصواب رائے عامہ
کا اصول جاری کیا۔ اور بادشاہ کی جگہ عوام کے انتخاب
کردہ امام (قائد حکومت) کو عطا کی۔ محض توریث یا
جبر و استبداد کے راستوں سے بادشاہ بن بیٹھنا اسلام کے
منشائے کے سراسر خلاف ہے۔ وہ جمہور کی مرضی اور ان ہی
کے ہاتھوں اسٹیٹ کو اقتدار و اختیار دلاتا ہے، ہاں
انھیں یہ حق نہیں دیتا کہ وہ امارت کی کوئی تنظیم نہ کریں۔ اور
اقتدار اپنے ہی پاس روک کر انتشار ابتری اور طوائف الملوکی
پھیلا دیں۔ یہ اولیت کا ایسا شرف ہے جو اسلامی حکومت
کو دنیا کی تمام جمہوریتوں پر حاصل ہے۔

اسلامی سلطنت کا بلند ترین منتہائے خیال یہ
ہے کہ سلطنت کی بنا جغرافیائی، نسلی، قومی، حرفتی اور
طبقاتی قیود سے بالاتر ہو کر انسانیت اور ان اعلیٰ اصولوں
پر ہو جن کی تشہیر و ترویج کے لئے وہ قائم کی جاتی ہے۔

اسلامی حکومت پہلی حکومت ہے جس نے اس منتہائے
خیال کو پورا کرنے کے لئے اپنی خلافت راشدہ کی بنیاد انسانیت
پر رکھی، یہ حکومت اپنے کاموں میں رائے عامہ مساوات حقوق
آزادی ضمیر اور سادگی کا امکانی حد تک خیال رکھتی ہے۔

اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ اپنے قلمرو میں بسنے والے

تمام غیر مسلموں کی (جو معاہد یعنی وفادار ہوں) جان ومال، آبرو، مذہبی آزادی اور عام شہری حقوق کی پوری حفاظت کرے۔ اگر کوئی طاقت ان کے جان ومال وغیرہ پر دست اندازی کرے تو حکومت اس سے جنگ کرے اور ان پر کوئی ایسا بار نہ ڈالے جو ان کے لئے ناقابل تحمل ہو۔ جو ملک صلحاً حاصل ہوا ہو وہاں کے غیر مسلموں سے جو شرائط طے ہوئے ہوں ان کی پوری پوری پابندی کیجائے پھر غیر مسلموں کے یہ حقوق محض اکثریت کے رحم وکرم پر نہیں بلکہ خدا کا عائد کیا ہوا ایک فرض ہے جس سے کسی وقت انحراف جائز نہیں اس کے بعد دینی حکومت کی مزعومہ خرابیوں کا جہاں تک تعلق ہے اس کے جواب میں اتنا کہنا کافی ہوگا۔ کہ علم وتحقیق کی روشنی میں موجودہ ترقی یافتہ حکومتوں کے طور طریقوں کو خلفاء اربعہ کے بے داغ عہد حکومت کے مقابلے میں رکھ کر مفاد عامہ کے لحاظ سے وزن کرلیا جائے۔ آج ظلم وجبر، عہد شکنی، مالی دستبرد، کشت وخون، بربادی وہلاکت، انسانی جماعتوں کی باہمی دشمنی، افراد کی عدم مساوات اور جمہور کے حقوق کی پامالی کی جو مثالیں دوربین سے دیکھے بغیر نظر آتی ہیں، خلفاء کے ترقی یافتہ عہد میں اس کا خفیف سا نشان بھی نہ ملے گا، غرضیکہ بیان کردہ خرابیاں مذہبی طرز حکومت کی خرابیاں نہیں ہیں۔ بلکہ ان انسانی گمراہیوں سے اخذ کی گئی ہیں جنھوں نے خالص مادی طرز حکومت کی داغ بیل ڈالی ہے، میں سمجھتا ہوں کہ گاندھی جی نے اسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا تھا۔ جب ۱۹۳۷ء میں اپنے کانگریسی وزراء کو یہ ہدایت دی کہ تم ابوبکرؓ وعمرؓ کی سی حکومت قائم کرو۔ نیز قائد اعظم مرحوم نے دستور کے اسی اساس کی طرف اشارہ کیا تھا جب ۱۹۴۳ء میں بمقام جالندھر آل انڈیا اسٹوڈینٹ فیڈریشن کی صدارت کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے خیال میں مسلمانوں کا طرز حکومت آج سے ساڑھے تیرہ سو سال قبل قرآن کریم نے فیصل کردیا تھا۔ انھوں نے نومبر ۱۹۴۵ء میں پیر صاحب مانکی شریف کے نام جو خط لکھا اس میں صاف صاف لکھدیا تھا کہ اس بات کے کہنے کی ضرورت ہی نہیں کہ قانون بنانے والی جماعت جن میں بہت زیادہ اکثریت مسلمانوں کی ہوگی پاکستان کے لئے ایسا قانون بنا سکے گی جو اسلامی قانون کے خلاف ہو اور نہ ہی پاکستانی غیر اسلامی قانون پر عمل کرسکیں گے" اس قسم کے اعلانات قیام پاکستان سے پہلے قائد اعظم اور دوسرے زعماء لیگ کی طرف سے برابر ہوتے رہے۔ جن کا بخوف طوالت ہم استیعاب نہیں کرسکتے۔

بہر حال ان بیانات کے پڑھنے کے بعد کسی مسلم یا غیر مسلم کو ہمارے مقصد اور مطمع نظر کو سمجھنے میں کوئی ابہام و اشتباہ نہیں رہ سکتا، اور جس قدر باتیں آئین ونظام اسلامی کے متعلق بطور اعتراض آج کہی جارہی ہیں۔ ان سب کے سوچنے کا وقت وہ تھا جب پوری صراحت کے ساتھ یہ اعلانات کئے جارہے تھے، جب یہ سب کچھ جان کر اور سمجھ کر دوسری قوم نے تقسیم ہند کے فیصلہ پر دستخط کئے اور پاکستان کی اقلیت نے ان مقاصد کو مانتے ہوئے ہمارے ساتھ اشتراک عمل کیا، اب پاکستان قائم ہونے کے بعد اس نقطۂ نظر سے انحراف کی کوئی وجہ جواز اُن کے پاس موجود نہیں، انھیں یہ بھی معلوم ہے کہ انڈین یونین کا قیام تو ہندو اور نیشلسٹ مسلمانوں کی مخلوط مساعی سے عمل میں آیا ہے۔ لیکن پاکستان کا حصول خالص مسلم قوم کی مساعی اور قربانیوں کا رہین منت ہے اور ان کی قومی خصائص وممیزات کے تحفظ کا داعیہ اس کا محرک ہوا ہے۔ اب اگر ایسی سیدھی اور صاف بات کو بھی بھلا دیا جائے تو اس کا کچھ علاج ہمارے پاس نہیں۔

اس موقعہ پر یہ بات بھی فراموش نہ کیجئے کہ آج دنیا میں معاشی اختلال اور اقتصادی عدم توازن کی وجہ سے ملحدانہ اشتراکیت

(کمیونزم) کا سیلاب ہر طرف بڑھتا چلا آرہا ہے۔ اس کا صحیح اور اصولی مقابلہ اگر دنیا میں کوئی نظام کر سکتا ہے تو وہ صرف اسلام کا اقتصادی نظام ہے۔ اگر ہم پاکستان یا عالم اسلامی کو اس بھیانک خطرہ سے بچانا چاہتے ہیں تو اس کی واحد صورت یہی ہے۔ کہ پاکستان میں صحیح اسلامی نظام کا اعلان و آغاز کریں۔ اور تمام اسلامی ممالک کو اسلام کے نام پر اسی کی دعوت دیں۔ اگر اس طرح تمام اسلامی ممالک آئینی طور پر متحد ہو گئے تو قدرتی طور پر وہ وحدت اسلامی قائم ہو جائے گی، جس کی ہم سب مدت سے آرزو رکھتے ہیں۔ اور جو اشتراکیت و سرمایہ پرستی دونوں کی روک تھام کے لئے مضبوط آہنی دیوار کا کام دے گی۔

بہت سے لوگوں کو یہ خیال گذرتا ہے کہ ابھی تک ہمارا کاروبار جس ڈگر پر چل رہا ہے۔ اسلامی اور اسلامی آئین کا اعلان کر کے ہم اسے ایک دم کیسے بدل سکتے ہیں۔ یہ تو ہمارے اجتماعی حالات میں ایسا انقلاب عظیم ہو گا جو ہماری قومی زندگی کی کایا پلٹ دے گا، اور جس کے لئے ہمیں جدید کانسٹی ٹیوشن کے چلانے کے لئے کثیر تعداد میں مناسب رجال کار تیار کرنے پڑیں گے، اور بہت طویل عرصہ درکار ہو گا۔ میں کہتا ہوں کہ ان حضرات کا یہ خیال ایک حد تک صحیح ہے۔ لیکن اسلامی نظام کا مطالبہ کرنے والے بھی اُسے بخوبی محسوس کرتے ہیں اسلامی آئین و نظام کے اعلان سے غرض یہ ہے کہ مملکت کا اصلی نصب العین اور اس کی انتہائی منزل مقصود واضح اور مستحضر ہو جائے تاکہ اس کی روشنی میں ہمارا جو قدم اٹھے وہ ہم کو آخری منزل سے قریب تر کرنے والا ہو۔ یہ کام ظاہر ہے کہ بتدریج ہو گا اور بتدریج ہی ہو سکتا ہے جو کام فی الحال کئے جا سکتے ہیں وہ فوراً کرنے ہوں گے۔ اور جن کاموں کے لئے سردست حالات سازگار نہیں وہ فوراً نفاذ پذیر نہ ہوں گے۔ بلکہ حکیمانہ اسلوب پر حالات کو سازگار بنانے کی ہر امکانی کوشش عمل میں لائی جائے گی۔ بہرحال انسان اسی چیز کا مکلف ہے جس کی وہ استطاعت رکھتا ہے۔ یہی وہ بات ہے۔ جو میں تقسیم سے قبل اپنے مختلف بیانات و خطبات میں کھول کر کہہ چکا ہوں، چنانچہ خطبۂ لاہور میں مَیں نے عرض کیا تھا کہ یہ اعلیٰ اور پاک نصب العین ممکن ہے بتدریج حاصل ہو، تاہم ہر دوسرا قدم جو اٹھایا جائے گا، انشاء اللہ پہلے قدم سے زیادہ مسلم قوم کو اس محبوب نصب العین سے قریب تر کرے گا جس طرح رات کی تاریکی آہستہ آہستہ کم ہوتی اور دن کی روشنی بتدریج پھیلتی ہے۔ یا جس طرح ایک پرانا مریض دھیرے دھیرے صحت کی طرف قدم اٹھاتا ہے دفعۃً ولغتۃً بیماری سے چنگا نہیں ہو جاتا، اسی طرح پاکستان ہماری قومی صحت اور ہماری مکمل ترین آزادی کے نصف النہار کی طرف تدریجی قدم اٹھائے گا۔

جناب صدر محترم! آخر میں ایوان ہذا کے معزز ممبران کی خدمت میں میں عرض کروں گا۔ کہ اس ڈھیلے ڈھالے ریزولیوشن سے گھبرانے اور وحشت کھانے کی کوئی وجہ نہیں، اسلامی فرقوں کے اختلافات تحریک پاکستان کی برکت سے بہت کم ہو چکے ہیں اور اگر کچھ باقی ہیں تو انشاء اللہ برادرانہ مفاہمت سے صاف ہو جائیں گے کیونکہ تمام اسلامی فرقے اور ملک آج اسلامی نظام کی ضرورت کو بہت شدت کیساتھ محسوس کر رہے ہیں، اور میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ ہمارے غیر مسلم دوست بھی اگر ایک مرتبہ تھوڑا سا تجربہ کر کے دیکھ لیں گے تو اگلی پچھلی سب تلخیاں بھول جائیں گے۔ اور بہت مطمئن رہیں گے بلکہ فخر کریں گے کہ ہم سب پاکستانیوں نے مل کر عام ہیجان اور اضطراب کے زمانہ میں انسانیت عامہ کی اس قدر عظیم الشان خدمت انجام دی۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

اب بڑا اہم کام ہمارے سامنے یہ ہے کہ دستور سازی کی مہم ایسے قابل، فہیم، مضبوط اور محتاط ہاتھوں کے سپرد ہو جو اس ریزولیشن کے خاص خاص نکتوں کی حفاظت کر سکیں اس کے فحوا کو بخوبی سمجھ سکیں اور جو دستور تیار کیا جائے وہ صحیح لائن سے ہٹنے نہ پائے یہ بہت کٹھن مرحلہ ہے جو اللہ ہی کی توفیق سے آسان ہو گا، بہرحال ہم آئندہ کام کرنے میں ہر قدم پر اس چیز کے منتظر رہیں گے وباللہ التوفیق

جناب تنزیل الرحمٰن صاحب ایڈووکیٹ

امام شافعیؒ

شخصیت اور کارنامے

امام شافعیؒ نے فقہ و حدیث کے اصول سب سے پہلے مدون کئے۔
احادیث کو منشاء ربانی اور قرآن پاک کے تکملہ کی حیثیت سے پیش کیا۔
الہامی احکام اور انسانی فکر کے درمیان رشتہ قائم کر کے ایک مربوط قانونی نظام بنایا۔

حالات زندگی:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا نام محمد، کنیت ابو عبداللہ، لقب ناصر الحدیث ہے۔ سلسلہ نسب ساتویں پشت میں رسول اکرمؐ سے ملتا ہے۔ آپ کے والد ماجد کا نام ادریس بن عباسؒ جو مدینہ منورہ کے قریب ایک قصبہ "قبالہ" کے رہنے والے تھے، پھر مدینہ منورہ چلے آئے مگر معاشی وجوہ کے سبب ملک شام چلے گئے اور عسقلان میں سکونت اختیار کی۔ امام شافعی کے جد امجد شافع اور ان کے والد صائب دونوں صحابی تھے (الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ، مطبوعہ مصر، جلد ۱ صفحہ ۱۱)

امام شافعی مقام غزہ (ملک شام) ۱۵۰ ہجری میں پیدا ہوئے۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ آپ کی ولادت اسی سال ہوئی جس سال امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ آپ اسی دن پیدا ہوئے جس دن امام ابوحنیفہ نے وفات پائی۔ (مناقب الامام الشافعی، ارزی، صفحہ ۸۰)

آپ کے والد آپ کی پیدائش سے کچھ روز قبل انتقال فرما چکے تھے۔ والدہ نے بہت عسرت کے ساتھ آپ کی پرورش کی آپ کو پڑھنے لکھنے کا بیحد شوق تھا چنانچہ جب کسی عالم سے کوئی حدیث یا مسئلہ سنتے تو فوراً یاد کر لیتے اور ہڈیوں پر لکھ لیتے، ان ہڈیوں کو مٹکے میں احتیاط سے محفوظ رکھتے۔

توالی التاسیس مصنفہ ابن حجر عسقلانی میں ہے کہ سات سال کی عمر میں قرآن حفظ کر لیا اور دس سال کی عمر میں موطا امام مالک کو حفظ کر لیا۔ جب آپ دس سال کے ہوئے تو آپ کی والدہ نے مکہ معظمہ آپ کے چچا کے پاس بھیج دیا۔ وہاں آپ نے مسلم بن خالد زنجی سے جو مکہ کے مفتی تھے اور فقہ و حدیث کے امام سمجھے جاتے تھے، فقہ و حدیث حاصل کی۔

علم حدیث میں اس زمانے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی بڑی شہرت تھی، چنانچہ مفتی مکہ مسلم بن خالد زنجی کا ایک سفارشی خط لیکر امام مالک کی خدمت میں روانہ ہوئے۔ مدینہ پہنچکر امام کے

مکان پر پہنچے، دستک دی، اندر سے خادمہ آئی۔ نام پوچھ کر گئی
پھر امام مالک تشریف لائے اور بڑے اخلاق و نرمی سے گفتگو
فرمائی۔ آپ نے مسلم بن خالد کا خط پیش کیا۔ امام مالک نے خط
پڑھ کر ایک طرف پھینکدیا، اور فرمایا۔ سبحان اللہ! کیا حضور
سرور کائنات کا علم اب اس قابل رہ گیا ہے کہ وہ وسائل اور
ذرائع سے حاصل کیا جائے۔" امام شافعی نے اپنی بے سروسامانی
اور ذوق علمی کا ذکر کیا۔ امام مالک نے امام شافعی کو اپنے حلقۂ
درس میں شامل کرلیا۔ امام شافعی ایک عرصے تک امام مالک کے
حلقۂ درس میں شریک رہے اور فقہ وحدیث میں کمال حاصل کیا۔

۱۷۹ ہجری میں امام مالک کا انتقال ہوگیا۔ اب امام شافعی
کے لئے مدینہ میں مزید قیام چنداں سود مند نہ تھا۔ چنانچہ آپ
کسب معاش کے لئے مدینہ کے باہر جانے کا ارادہ کر رہے تھے
اتفاقاً اسی زمانہ میں والیٔ یمن حجاز آیا۔ اس کو امام شافعی کی
فراست، ذکاوت اور علم وفضل کا علم ہوا تو آپ کو اپنے ساتھ
یمن لے گیا۔ آپ والیٔ یمن کی طرف سے امور سلطنت انجام
دینے لگے اور جلد ہی اپنی دانائی اور عدل گستری کے سبب
خاص وعام میں مشہور ہوگئے۔ لیکن ایک گروہ ایسا بھی تھا جو آپ
کی فضیلت وشہرت کے سبب آپ سے پرخاش رکھتا تھا۔ یہ
گروہ تعلق پسندوں، درباداروں اور خوشامدیوں کا تھا جن کی
گرم بازاری امام شافعی کی غیر جانبداری کے سبب سرد پڑنے لگی
تھی۔ انھوں نے والیٔ یمن کو آپ کے خلاف بھڑکانا شروع کیا
سوء اتفاق سے اس زمانہ میں عباسیوں کے خلاف علویوں کی
تحریک زوروں پر تھی۔ والیٔ یمن نے امام صاحب پر الزام لگایا
کہ یہ علویوں کی حمایت کرتے ہیں۔ اس نے خلیفہ ہارون الرشید
کو آپ کی سرگرمیوں کی اطلاع دی تو ہارون الرشید نے آپ کو
بغداد طلب کرلیا۔ امام شافعی بغداد پہنچے خلیفہ نے قتل کا ارادہ کیا
مگر امام محمد بن الحسن الشیبانی (امام ابوحنیفہ کے مشہور شاگرد)
کی سفارش پر چھوڑ دیئے گئے۔ ہارون الرشید کی تلوار سے
نجات پاکر وہ امام محمد کے سایۂ عاطفت میں آگئے۔ یہ واقعہ
۱۸۴ ہجری کا ہے۔

امام محمد بن الحسن الشیبانی عراقی فقہی مکتب کے سب سے
بڑے حامل اور ناشر تھے۔ امام شافعی نے بغداد میں امام محمد سے
اکتساب فیض کیا اور فقیہ مدینہ وعراق کے تقابلی مطالعے سے
ایک خاص نقطۂ نظر پیدا ہوا اور یہیں سے شافعی فقہ کی بنیاد پڑی۔

امام شافعی کچھ عرصہ بعد بغداد سے مکہ آئے اور حرم مکہ میں
بیٹھ کر درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ ۱۹۸ ہجری میں آپ
پھر بغداد تشریف لائے مگر چند ماہ کے مختصر قیام کے بعد مصر
تشریف لے گئے۔ جہاں آپ کی فقہ کو بڑا فروغ ہوا۔ آخر عمر
تک آپ وہیں رہے اور ۳۰ رجب ۲۰۴ ہجری کو اس دار فانی
سے کوچ کیا۔ موت العالم موت العالم۔

ربیع ابن سلیمان کہتے ہیں۔ کہ میں نے حضرت امام شافعیؒ
کے انتقال سے قبل ایک خواب دیکھا کہ حضرت آدم کا انتقال
ہوگیا ہے اور لوگ ان کے جنازے کو باہر لے جانے کا ارادہ کر رہے
ہیں۔ یہ خواب میں نے بعض اہل علم سے بیان کیا انھوں نے
تعبیر میں کہا کہ اس وقت روئے زمین پر جو سب سے بڑا عالم
ہے اس کا انتقال ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم
کو تمام امور کا علم عطا فرمایا تھا۔ چند دن گذرے تھے کہ امام
شافعی کا انتقال ہوگیا۔ (مناقب الشافعی، رازی ص ۸۰)

شاہ ولی اللہ دہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ میں امام شافعی کے
متعلق لکھا ہے کہ:

> اور امام شافعی دونوں مذہبوں (حنفی اور مالکی) کے
> ظہور کی ابتداء میں پلے، بڑھے جو کہ دونوں مذہبوں
> کے اصول وفروع کی ترتیب کا زمانہ تھا اور سلف
> کے طریقۂ کار پر نظر دوڑائی۔ ان میں سے کچھ علماء
> کو آزادیٔ رائے کا حامل پایا۔ اور کچھ علماء کو نہایت پابند
> لہٰذا امام شافعی نے انتہائی آزادی پر کچھ پابندی اختیار کی
> اور انتہائی پابندی میں کچھ آزادی، آج فقہ شافعی کی صورت
> میں ہمارے سامنے ہے۔"

مصر کے مشہور عالم شیخ ابوزہرہ نے اپنی کتاب الشافعی میں لکھا ہے

"امام شافعی وہ تنہا شخص ہیں جن کی فقہ پورے طور پر اسلامی فقہ کی آئینہ گری کرتی ہے ..... وہی ایک ایسے فقیہ اجل ہیں جنھوں نے رائے کو ضبط کیا اور موازین قیاس وضع کئے۔ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے ضبط سنت کی سعی کی جنھوں نے ضبط سنت کے سلسلے میں سانچے اور پیمانے وضع کئے، جنھوں نے قیاس کے اصولوں کو قائم کیا، جنھوں نے کتاب وسنت کے طریقوں کو واضح کیا۔ ناسخ ومنسوخ پر روشنی ڈالی"۔

امام شافعی کی تصنیفات :

بعض راویوں کا بیان ہے کہ شافعی کی سب سے پہلی تصنیف بغداد کے نام سے موسوم ہے (توالی التاسیس: ابن حجر عسقلانی مطبوعہ مصر، ص ۷۰) جس میں انھوں نے اہل عراق کا رد کرتے ہوئے فقہ الحدیث کا دفاع کیا تھا۔

جلال الدین سیوطی کا قول ہے کہ "مصر میں امام شافعی نے بہت سی نئی کتابیں لکھیں مثلاً الام، الامالی، الکبریٰ الاملاء الصغیر وغیرہ

اصول فقہ وحدیث میں امام شافعی کی مشہور کتاب "الرسالہ فی اصول الفقہ والحدیث" ہے۔ امام شافعی کی یہ تصنیف تاریخی اعتبار سے اصول فقہ وحدیث میں پہلی مدون اور مرتب کتاب ہے، اگرچہ اس سے قبل اصول فقہ پر امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف امام محمد الشیبانی، واصل بن عطار رحمہم اللہ تعالیٰ کی تصنیفات کا ذکر ملتا ہے، مگر ان کا نام ونشان دنیا میں موجود نہیں اس لئے بجا طور پر امام شافعی کو اس حیثیت سے اس فن کا پیش رو کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے اس کو سب سے پہلے مدون مرتب شکل میں پیش کیا۔

امام فخر الدین رازی نے اپنی کتاب "مناقب الامام الشافعی" میں لکھا ہے کہ امام شافعی کی حیثیت اصول فقہ میں ایسی ہی ہے جیسی منطق میں ارسطو کی، اور عروض میں خلیل بن احمد کی۔ امام شافعی اس اعتبار سے ائمہ ثلاثہ سے ممتاز نظر آتے ہیں۔ امام شافعی کی اس

کتاب کی اہمیت اس لحاظ سے اور بڑھ جاتی ہے کہ امام شافعی نے اس کتاب کے ذریعہ ایک مخصوص طرز فکر کی بنیاد رکھی جس نے آنے والے زمانہ میں فقہ اسلام کے ارتقاء میں بنیادی کردار ادا کیا۔

اسلامی فقہ کے ارتقاء میں امام شافعی کی حیثیت محض ایک شریک کار کی نہیں، بلکہ ایک ایسے ناظر کی ہے جو تنقیدی زاویہ نگاہ کے ساتھ اپنے اردگرد کی چیزوں کو دیکھ رہا ہے، اور اس کے نتیجہ میں شکست وریخت اور تعمیر وتشکیل کے عمل پیہم میں مصروف ہے، انھوں نے مکے، مدینے، عراق اور شام کے فقہی مکاتیب کا عمیق اور تنقیدی مطالعہ کیا، اور بالآخر اپنا ایک منفرد فقہی مذہب قائم کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اسی وجہ سے فقہ شافعی میں علاقائی تصورات کا پرتو نہیں ہے۔

اسلامی قانون کے ماخذ :

امام شافعی دیگر مذاہب کی طرح قرآن وسنت کو اسلامی قانون کا ماخذ قرار دیتے ہیں۔ ان کے فقہی نظریہ کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بحیثیت شارع ایک محور کی حیثیت حاصل ہے، وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قانونی فیصلوں کو واضح طور پر الہامی کہتے ہیں، اور فی الحقیقت احادیث رسول کو منشار ربانی کہہ کر قرآن پاک کے تکملہ کی حیثیت سے پیش کرنا امام شافعی کا زبردست کارنامہ ہے۔ جس کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ اگر صحت روایت سے انکار محال ہو تو متن حدیث کو معروضی تنقید کے ذریعہ رد نہیں کیا جا سکتا۔

امام شافعی نے ثابت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عملی سنت کو حدیث ہی کے ذریعہ صحیح طور پر متعین کیا جا سکتا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک اگرچہ سنت رسول اسلامی قانون کا دوسرا ماخذ ہے، لیکن اگر غائر نظر سے دیکھا جائے تو سنت رسول کو قرآن کی تفسیر بیان ہونے اور اس کے الہامی ہونے کے سبب ایک حیثیت سے قرآن کے برابر درجہ حاصل ہے، چنانچہ نسخ کے بارے میں

(بقیہ مضمون امام شافعیؒ) ان کا نظریہ یہ ہے کہ قرآن نہ سنت کو منسوخ کرسکتا ہے اور نہ سنت قرآن کو منسوخ کرسکتی ہے۔ بلکہ قرآن صرف قرآن سے اور سنت صرف سنت سے منسوخ ہوسکتی ہے۔

اسلامی قانون کا تیسرا ماخذ "اجماع" ہے۔ اجماع کے بارے میں امام شافعی کا نقطۂ نظریہ ہے کہ پوری امت مسلمہ کا اجماع تنقید کی قوت[1] رکھتا ہے نہ کسی خطے یا علاقے کے علماء کا اجماع۔

اسلامی قانون کا چوتھا اور آخری اصول "قیاس" ہے جو دراصل اجتہاد کی ایک خاص شکل ہے۔ قرآن وسنت اور اجماع کے مسلمہ اصولوں کی روشنی میں پیش آمدہ مسئلہ میں استنباط کیا جائے، بالفاظ دیگر اجتہاد کا طریقہ اور قانونی استدلال احکام وحی کے تابع ہے، لیکن ساتھ ہی امام شافعی نے قیاس کا اصول کے ذریعہ الہامی احکام اور انسانی فکر کے درمیان رشتہ قائم کرکے ایک مربوط قانونی نظام پیش کرنے کی جو سعی کی ہے تاریخ فقہ میں رہتی دنیا تک یادگار رہے گی۔

---

[1] صرف تنقید کی قوت نہیں رکھتا بلکہ حجت ہے، قرآن وسنت کی مانند۔ مدیر

(بقیہ مضمون "اسوۂ رسول سے ایک سبق")

ہونے کی تاکید فرماتے۔ غسل میں کوئی حصۂ بدن خشک نہ رہنا چاہئے اور وضو میں بھی اس اصول کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔ تیمم کے لئے جو مٹی استعمال کی جائے اس کے لئے نطق رسالت نے وحی الٰہی کے الفاظ "صعیداً طیباً" کے استعمال کئے ہیں، محض یہ نہ ہونا چاہئے کہ مٹی کا جو ڈھیلا ہاتھ آگیا اس پر تیمم کرلیا اسے پاک اور طیب ہونا چاہئے، جب تیمم کی مٹی تک کے لئے یہ اہتمام ہے تو ظاہر ہے گھر کی صفائی فرد پر، محلے کی صفائی جماعت پر، شہر کی صفائی بلدیہ پر لازم ٹھہری۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ ہم صاف اور پاک ہوں مگر ہمارا گھر غلیظ ہو، ہمارا گھر پاک اور صاف ہو مگر ہمارا محلہ مزبلہ بنا ہو، ہمارا محلہ طیب اور طاہر ہو مگر ہماری گلیاں، چوراہے، چوک، سڑکیں اور دوسرے مقامات تعفن، نجاست اور ناپاکی کا مرکز ہوں! میں اگر طہارت کو پسند کرتا ہوں تو لازمی طور پر میرا گھر بھی ایسا ہی ہوگا۔ اور اگر میرا محلہ ایسا نہ ہوا تو میں وہاں اقامت نہیں کرسکتا۔ فرد گھر محلہ اور شہر یہ سب ایک سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ انھیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ جرات اس لئے اور ناممکن ہے کہ ہمارا اوڑھنا بچھونا مذہب ہے، ہماری زندگی کا محور اور مرکز ذات رسالت مآب ہے۔ نہ ہم مذہب کو نظر انداز کرسکتے ہیں نہ اسوۂ رسول کو۔ ہماری مذہبیت اور حب رسول کا تقاضا یہ ہے کہ صفائی اور طہارت کو ہم اپنا ذاتی اور قومی مزاج بنالیں۔

وعظ
حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

تلخیص
حضرت مولانا نجم الحسن صاحب تھانگرامی

طالبِ حق کی شان

جو طالب حق ہیں اگر ان کو ادھر سے اُدھر دھکے بھی دیئے جائیں اور پورا یقین ہو جائے کہ ہم محروم ہی رہیں گے اور دوزخ میں جائیں گے جب بھی وہ طلب کو ہاتھ سے نہ دیں گے۔ عبد کی شان ہی یہ ہے کہ وہ اپنے آقا کو راضی کرنے کی کوشش میں لگا رہے، خدا تعالےٰ کا سچا عاشق اور سچا طالب کبھی ناکام نہیں رہ سکتا نہ دنیا میں نہ آخرت میں، کیونکہ دنیا میں اصل کامیابی راحت و اطمینان کا نام ہے، تمام اسباب کامیابی اسی کے لئے اختیار کئے جاتے ہیں اور طالبانِ حق کے پاس سب سے زیادہ ہے۔ کیونکہ پریشانی کی اصل وجہ تجویز ہے کہ ہم نے چاہا تھا کچھ اور ہو گیا کچھ سو اہل اللہ اس کو فنا کر دیتے ہیں۔ اور ہمارے اس چاہنے کا سلسلہ ایسا ہے کہ اس میں شاخ سے شاخ نکلتی جاتی ہے۔ اور برابر پریشانیاں بڑھتی جاتی ہیں اس لئے اہل اللہ نے اس تجویز ہی کو رخصت کر دیا اور ان کی دعا کرنے سے تجویز کا شبہ نہ کیا جاوے دعا اہل اللہ بھی کرتے ہیں اور دنیا والے بھی مگر اہل اللہ کی دعا ایک وجہ خاص سے دنیا والوں کی دعا سے جدا ہے اور وہ وجہ خاص ایک ایسی چیز ہے جس سے یہ بزرگ ہیں اور تم بزرگ نہیں، گو ظاہر میں تم ان سے زیادہ ماتھا رگڑتے ہو اور گھنٹوں دعا میں گڑگڑاتے ہو وہ آن یہ ہے کہ اہل اللہ دعا کرتے ہیں اللہ تعالےٰ سے سب کچھ مانگتے ہیں مگر رضائے باللہ کے ساتھ اگر دعا قبول بھی نہ ہوئی تب بھی اللہ تعالےٰ سے اسی طرح راضی رہیں گے جیسے دعا سے پہلے تھے، وہ محض حکم کی وجہ سے اظہار عبدیت کے لئے دعا کرتے ہیں۔ اس واسطے دعا نہیں کرتے کہ جو ہم نے مانگا ہے وہی مل جائے بلکہ ہر حال میں خدا کی رضا میں راضی رہتے ہیں۔ سو جس شخص کا یہ حال ہو اس کی برابر کس کو راحت ہو سکتی ہے، واللہ سلاطین کو اہل اللہ کی راحت کی ہوا بھی نہیں لگی۔ پھر جس وقت وہ خلوت میں اللہ کی طرف یکسو ہو کر متوجہ ہوتے ہیں اس وقت کی تو راحت کچھ نہ پوچھئے اس کا اندازہ تو اہل اللہ کا دل ہی کر سکتا ہے۔ یہ تو راحت کا حال تھا۔ عزت کو اگر دیکھو تو اہل اللہ کی عزت دنیا دار حکام تک کے قلوب میں ہوتی ہے جن کی دنیا والے خوشامد کرتے پھرتے ہیں، پھر اہل اللہ کی عزت محبت و انشراح کے ساتھ ہوتی ہے اور دنیا والوں کی عزت خوف ضرر و انقباض کے ساتھ ہوتی ہے اہل اللہ اگر جنگل میں بھی بیٹھ جاویں تو وہیں قلوب مجتمع ہو جاتے ہیں۔ اور دنیا والے جہاں اپنے مقام عہدہ سے الگ ہوئے پھر ان کی خاک بھی عزت نہیں ہوتی اگر کبھی اپنی وضع اور لباس کو بدل دیں تو پھر کوئی ان کو سلام بھی نہیں کرتا۔ پس دنیا کی کامیابی جس کا نام ہے

یعنی عزت وراحت وہ طالبانِ حق سے زیادہ کسی کو حاصل نہیں
مگر یہ سب بدون نیت اور ارادہ کے ان کو عطا ہوتا ہے کہ وہ
اپنے کو مٹاتے رہتے ہیں۔ اور خدا ان کو زندہ کرتا رہتا ہے
بادشاہوں کے نام ونشان آج دنیا سے غائب ہوگئے مگر
اہل اللہ کا نام زندہ ہے لوگوں کے دلوں میں ان کی یاد کا نقش ہے

اہل اللہ کے برابر کسی کو دنیوی عزت بھی نصیب
نہیں ان کی عزت زندگی میں تو ہے ہی مرنے کے بعد بھی باقی
رہتی ہے، چنانچہ ایک انگریز سیاح نے ہندوستان کے
متعلق اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ میں نے ہندوستان میں
ایک عجیب منظر دیکھا کہ اجمیر میں ایک مردہ قبر میں پڑا ہوا
تمام ہندوستان پر بادشاہت کر رہا ہے، کہ چاروں
طرف سے لوگ آتے اور اس کے سامنے ادب وتعظیم کے
ساتھ دست بستہ کھڑے ہوتے اور سر خم کرتے ہیں۔ اور
جو حاضر نہیں ان کے قلوب بھی عظمت سے پُر ہیں۔ مگر ایسے
اس فعل انحنا وافعال بدعت کے جواز پر استدلال نہیں ہو سکتا
یہ فعل حرام ہے۔

قبروں کا چومنا

میں بار بار کہتا ہوں کہ قبروں کو چومنا
ان کے آگے سر جھکانا بالکل حرام ہے۔
منشاء اس کا وہی عظمت وعزت ہے جو قلب عالم میں
جاگزیں ہے گو اس کا ظہور بری طرح ہو رہا ہے۔ سلاطین
کی قبر پر برسوں کوئی جا کر بھی نہیں پھٹکتا اسی طرح حضرات
اولیاء اللہ کے مزارات اسی تعظیم کی وجہ سے بڑے عالیشان
پختہ بنائے جاتے ہیں۔ یہاں بھی منشاء وہی عظمت ہے مگر
اس کا ظہور بری طرح ہوا کیونکہ شرعاً تعظیم اولیاء کی یہ صورت
حرام ہے۔ اہل اللہ کی تعظیم کچھ اسی میں منحصر نہیں کہ ان کے مزار
پختہ بنائے جائیں وہ تو کچی قبروں میں بھی ویسے ہی معظم ومحترم
ہیں جیسے پکی قبر میں

پختہ قبور

بلکہ کچی قبروں پر بوجہ موافقت سنت کے
انوار زیادہ ہوتے ہیں۔ حضرت شیخ بختیار کاکی
رحمۃ اللہ علیہ کی کچی قبر پر ایسی ہیبت برستی ہے جو سلاطین کی
قبروں پر خاک بھی نہیں، اور اگر کسی کی آنکھیں ہوں تو اسے
معلوم ہو جائے گا کہ کچی قبروں پر جو انوار ہیں وہ پختہ قبر پر کہاں
اور کسی کی آنکھیں بند ہوں تو وہ اس دلیل ہی سے سمجھ لے
کہ اول تو انوار سنت کے ساتھ مخصوص ہیں اور یہ پختہ مزارات
تمام تر رؤسا اور امراء اور سلاطین کے بنائے ہوئے ہیں بزرگوں
کے بنائے ہوئے نہیں اور ظاہر ہے کہ امرا اور سلاطین کی
بنائی ہوئی چیز میں انوار کہاں!

اہل اللہ کے مذاق کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو کہ وہ
بھی ان خرافات سے خوش ہیں۔ جن سے تم خوش ہوتے ہو
یہ پختہ مزارات اہل اللہ کے مذاق کے بالکل خلاف ہیں پھر یہ
قبر کی وضع کے بھی خلاف ہیں۔ کیونکہ قبروں کی زیارت سے
جو مقصود ہے وہ ان پختہ قبروں سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

زیارت قبور سے غرض یہ ہے کہ موت یاد آئے اور دنیا
کے زوال وفنا کا نقشہ سامنے آ جائے تو یہ بات کچی اور شکستہ قبروں
ہی سے حاصل ہوتی ہے، شکستہ قبر سے دل پر اثر ہوتا ہے اور موت
یاد آتی ہے ان شاہی قبروں سے موت تھوڑا ہی یاد آتی ہے
نہ زوال وفنائے دنیا پیش نظر ہوتا ہے سچی عظمت ومحبت کو اس
گے زوال وفنائے دنیا پیش نظر سچی عظمت ومحبت کو اس
ساز وسامان کی ضرورت نہیں۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ حضرات
صحابہ کرام رضہ کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت
وعظمت نہ تھی اُن کو تو ایسی محبت تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کے وضو کا پانی کبھی زمین پر نہ گرتا تھا بلکہ صحابہ اس کو ہاتھوں
میں لیکر اپنے منہ اور آنکھوں پر ملتے تھے مگر باایں ہمہ صحابہ رضہ
نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پختہ نہیں بنائی بلکہ کچی ہی رکھی
کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پختہ قبر بنانے سے
منع فرمایا ہے۔ پس محبت وعظمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا
تقاضا یہی تھا کہ قبر پختہ نہ بنائی جائے اور ظاہر ہے کہ
اولیاء اللہ اپنی زندگی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع پر

جان و دل سے فدا تھے۔ پس جس بات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی ہے اسی میں اولیاء اللہ کی بھی خوشی ہے، اگر یہ کہا جائے کہ پختہ قبر بنانے میں اہل اللہ کے نشان کا بقا ہے تو اس کے جواب میں اول تو میں کہتا ہوں کہ خدا ان کو باقی رکھنے والا ہے۔ تمہارے باقی رکھنے سے وہ باقی نہیں رہ سکتے۔ بہت سی پختہ قبر والے مردے ایسے بھی ہیں جن کے نام سے بھی کوئی آشنا نہیں تو کیا پختہ قبر بنانا ہی بقا کا ذریعہ ہے ہرگز نہیں بلکہ باقی رکھنے والی چیز اہل اللہ کی ولایت اور ان کے کمالات معرفت و محبت ہیں پس وہ آپ کی ابقاء کے محتاج نہیں۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ نشان باقی رکھنے کی یہ بھی صورت ہے کہ قبر کچی رکھو اور ہر سال اس کی لیپ پوت کرتے رہو، مٹی ڈلواتے رہو موت تو مٹانے ہی کے لئے ہے اس کے لئے بعض بقا کا سامان کرنا ایک امر فضول ہے اگر کوئی کہے کہ قبروں سے فیض ہوتا ہے اس لئے قبروں کی بقا کی ضرورت ہے تو میں اس کا انکار نہیں کرتا۔

فیضانِ قبور

مگر اول تو وہ فیض معتد بہ نہیں کیونکہ قبروں سے جو فیض ہوتا ہے وہ ایسا نہیں جس سے تکمیل ہوسکے یا سلوک طے ہوسکے بلکہ اس کا درجہ صرف اتنا ہے کہ صاحب نسبت کی نسبت کو اتنا فیض ہوتا ہے کہ تھوڑی دیر کے لئے نسبت کو قوت اور حالت میں زیادتی ہوجاتی ہے مگر وہ بھی دیرپا نہیں ہوتی بلکہ اس کی ایسی مثال ہے جیسے تنور کے پاس بیٹھ کر کچھ دیر کے لئے جسم میں حرارت پیدا ہوجاتی ہے کہ جہاں تنور سے ہٹے اور ہوا لگی وہ سب گرمی جاتی رہی۔ صاحب نسبت کو اول تو قبر سے فیض لینے کی ضرورت نہیں۔ زندہ پیر اس کے لئے قبروں سے زیادہ نافع ہے۔ اور ضرورت بھی ہو تو صاحب نسبت کے لئے قبر کا پختہ ہونا ضروری نہیں وہ تو آثار سے معلوم کرے گا کہ یہاں کوئی صاحب کمال مدفون ہے۔ پس میں یہ کہہ رہا تھا کہ اہل اللہ سے زیادہ صاحب عزت کوئی نہیں ان کی عزت و عظمت مرنے کے بعد بھی باقی رہتی ہے گو قبر کا بھی نشان نہ رہے، اسی طرح راحت حقیقی بھی ان ہی کا حصہ ہے جیسا اوپر ثابت ہوچکا۔ تو جب راحت بھی سب سے زیادہ انہیں کو حاصل اور عزت بھی سب سے زیادہ انہیں کو حاصل تو دنیا میں بھی ان سے بڑھ کر کوئی کامیاب نہیں میں کہا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے طاعات کی ساری جزا ادھار پر نہیں رکھی۔ آخرت میں تو ان کی جزا ملے ہی گی دنیا میں بھی جزا ملتی ہے۔ یہی راحت و اطمینان اور عزت و عظمت ہے۔ چنانچہ نص میں ہے۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (یاد رکھو اللہ کے ذکر ہی سے دل مطمئن ہوتے ہیں)

اور دوسری جگہ یہ ہے۔ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً۔ (پس ہم ان کو پاکیزہ زندگی عطا فرمائیں گے۔) طاعت و ذکر اللہ کی برکت سے دنیا میں اہل طاعت کو حیات طیبہ حاصل ہوتی ہے جس کی سلاطین و امراء کو ہوا بھی نہیں لگی پھر کس کا منہ ہے جو ان کو ناکام کہہ سکے۔ پس طالب حق بشرطیکہ سچا طالب ہو نہ دنیا میں ناکام ہوتا ہے اور نہ آخرت میں دنیا کی کامیابی تو وہی ہے جس کو میں نے ابھی بیان کیا اور آخرت کی کامیابی کو سب جانتے ہیں۔ کہ اہل طاعت کے لئے وہاں کیا کچھ نعمتیں اور راحتیں ہیں

شریعت کا ظاہر و باطن طریقۂ قلندری

بعضے درویش یوں کہتے ہیں کہ شریعت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ ایک صورت ہے اور ایک معنی اور اصل مقصود معنی ہے صورۃ مقصود نہیں اسی لئے وہ اس کے بھی معتقد ہیں کہ جب معنی اور حقیقت تک رسائی ہوجاتی ہے تو عبادات ساقط ہوجاتی ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ مسئلہ شریعت میں کسی کا قول اور کشف معتبر نہیں اور شریعت کا حکم ہے کہ۔

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ

موت آنے تک اپنے رب کی عبادت کرتے رہو

جس سے معلوم ہوا کہ موت آنے تک عبادت ضروری ہے اور عبادۃ صورت اور معنی دونوں کے متعلق ہے۔ زیادہ حصہ عبادت کا افعال جوارح ہی ہیں قلب سے صرف نیت شرط ہے اس لئے یہ قول غلط ہے کہ مقصود صرف معنی ہے ظاہر مقصود نہیں مگر ان جاہل درویشوں نے ایک اور کمال کیا کہ خود اس آیت کے معنی ہی بدل دیئے اور یہ کہا کہ یقین سے مراد ایک خاص درجہ ولایت کا ہے جب عارف اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے تو عبادت معاف ہوجاتی ہے اور اس سے پہلے پہلے عبادت کا مامور ہے اس مقام پر پہنچنے کے بعد صرف باطن سے عبادت کا مامور ہوتا ہے کہ دل سے خدا کا ذکر کرتا رہے نماز روزہ کی صورت لازم نہیں اور اس کا نام انھوں نے طریقہ قلندری رکھا ہے مگر یہ ساری خرابی فن کے نہ جاننے کی ہے۔ قلندر صوفیا کی خاص اصطلاح ہے اس کو اہلِ فن سے دریافت کرو۔ تمہاری اصطلاح قلندری کو دین سے کچھ واسطہ نہیں بلکہ شریعت میں اس کو زندقہ اور بے دینی کا لقب دیا گیا ہے اور آیت کے جو معنی تم نے بیان کئے وہ بالکل غلط ہیں کیونکہ یقین سے ولایت کا خاص درجہ مراد لینا تمہاری اصطلاح ہے اور قرآن تمہاری اصطلاحات میں نازل نہیں ہوا بلکہ لغات عرب میں نازل ہوا ہے اور کتب لغت تمہارے سامنے ہیں۔ لغت کی کتاب سے بتاؤ کہ یہ معنی کس نے لکھے ہیں۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترک فرائض پر جو وعید فرمائی ہیں کسی کو مستثنیٰ نہیں فرمایا پس یہ خیال غلط ہے کہ عبادات وطاعات ظاہرہ کسی مقام پر معاف ہوجاتے ہیں بلکہ معاملہ برعکس ہے کہ جس قدر قرب بڑھتا ہے اتنی ہی ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں عوام سے ترک مستحبات وسنن غیر مؤکدہ کے ترک پر مؤاخذہ نہیں ہوتا اور مقرب سے ذرا سی مخالفتِ سنت پر مواخذہ ہوتا ہے۔

پھر حیرت پر حیرت ہے کہ خدا کا مقرب ہو کر بندہ بالکل آزاد ہو جائے یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔ اور بالفرض اگر یہ مان بھی لیا جائے۔ کہ صورت مقصود نہیں بلکہ معنی مقصود ہیں جب بھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نماز روزہ معاف اور ساقط ہوجائے۔ کیونکہ معانی کی انواع مختلف ہیں جیسے شیرینی کی اقسام مختلف ہیں ایک شیرینی امرود کی ہے ایک انار کی ہے۔ ایک آم کی۔ ایک گنے کی۔ ظاہر ہے کہ سب شیرینی کی جنس مشترک ہے مگر انواع مختلف ہیں اب کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ گنا چوسنے سے انار اور آم کی شیرینی حاصل ہوسکتی ہے۔ ہرگز نہیں۔ اسی طرح میں کہتا ہوں کہ جس معنی کو آپ مقصود سمجھے ہوئے ہیں ان کی انواع مختلف ہیں، ایک روح نماز کی ہے وہ نماز ہی سے حاصل ہوگی، ایک روح صوم کی ہے وہ روزہ ہی سے حاصل ہوگی. ایک روح تلاوت قرآن کی ہے وہ تلاوت قرآن ہی سے حاصل ہوگی۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ صرف ذکر قلبی سے نماز کی روح بھی حاصل ہوجائے اور روزہ کی بھی اور تلاوت قرآن کی بھی۔ پس میں نے مانا کہ معنی مقصود ہیں مگر وہ معنی بدون ان خاص صورتوں کے حاصل نہیں ہوسکتا۔ اب جو شخص بدون نماز کے یہ دعوے کرے کہ مجھے نماز کی روح حاصل ہے وہ جھوٹا ہے اور اس کی بالکل وہی مثال ہے جیسے کوئی گنا چوس کر یہ کہے کہ مجھے انار اور آم کی شیرینی کا مزہ حاصل ہے۔ پس درویش کان کھول کر سن لیں کہ نماز اور تلاوت قرآن کی روح نماز پڑھنے اور قرآن پڑھنے ہی سے حاصل ہوگی بدون اس کے قیامت تک ان کی روح حاصل نہیں ہوسکتی اس لئے ان کو بھی تلاوت قرآن لازمی ہے اس کا خاص طور پر اہتمام کریں اور محض ذکر پر کفایت نہ کریں۔

اسوۂ رسول سے ایک سبق

(جناب حکیم محمد سعید دہلوی)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اللہ تبارک وتعالےٰ نے فرمایا ہے:

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

یعنی آں حضرت کی گفتار و کردار امت مرحومہ کے لئے اسوۂ حسنہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ایک ایسی مثال، ایک ایسا نمونہ جس کی پیروی باعث فوز و فلاح ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ زندگی کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جسے آں حضرتؐ نے اپنی گفتار یا کردار سے حل نہ کر دیا ہو۔ انھیں مسائل میں ایک بہت ہی اہم اور قابل توجہ مسئلہ صفائی اور پاکی کا بھی ہے۔

سیرت نبوی پر بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ ہر زبان میں لکھی گئی ہیں اور تا قیامت لکھی جاتی رہیں گی۔ قرآن کریم نے بہت سے انبیا کے نام لئے ہیں اور بہتوں کے صرف عمومی ذکر پر اکتفا کیا ہے نام نہیں لئے ہیں۔ لیکن ان انبیاء کے مستند اور مکمل احوال و سوانح کیا تاریخ پیش کر سکتی ہے؟ یہودی حضرت موسیٰ کے امتی ہیں، عیسائی حضرت عیسیٰ کی امت پر فخر کرتے ہیں۔ ہندو رام اور کرشن کو خدا کا فرستادہ تسلیم کرتے ہیں۔ پارسی زردشت کو نبی برحق مانتے ہیں، بدھ گوتم میں خدا کا جلوہ دیکھتے ہیں۔ لیکن کیا یہودیوں کے پاس حضرت موسیٰ کی عیسائیوں کے پاس حضرت عیسیٰ کی، ہندوؤں کے پاس رام اور کرشن کی بدھوں کے پاس مہاتما گوتم بدھ کی کوئی ایسی مکمل اور مستند سوانح عمری ہے جس کی صحت اور اسناد کو وہ تسلیم کرتے ہوں۔ یہ خصوصیت صرف خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے کہ آپ کی حیات گرامی کا ایک ایک واقعہ پوری صحت، اسناد، تفصیل اور تکمیل کے ساتھ موجود ہے۔ مستشرقین تک اس واقعہ کو تسلیم کرتے ہیں اور انگشت بدنداں ہیں کہ یہ بے مثال کارنامہ کس طرح اور کیونکر عالم وجود میں آ گیا! اس تفصیل سے میرا مدعا یہ ہے کہ جس مسئلہ سے متعلق ہم آپ کا اسوۂ حسنہ تلاش کرنا چاہیں وہ بڑی آسانی کے ساتھ مل سکتا ہے۔

میرا آج کا موضوع صفائی اور طہارت ہے، بلاشبہ یہ زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس کی اہمیت اور افادیت کو محسوس نہ کیا جائے لیکن اگر سیرت نبوی کی روشنی میں اس مسئلہ پر غور کیا جائے تو ماننا اور تسلیم کرنا پڑے گا کہ آپ ذاتی طور پر صفائی اور طہارت کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے اور اس کی تلقین بھی عملی طور پر کیا کرتے تھے، غسل کا شمار آپ کی پسندیدہ چیزوں میں ہوتا تھا۔ وضو کی تاکید فرمایا کرتے تھے۔ غسل ہو یا وضو اگر سرسری طور پر کوئی کرتا تو آپ ٹوکتے اور صحیح طور پر اس کو جھڑا

(بقیہ برصفحہ [illegible])

محمد علی صدیقی

ترجمہ :- محمد سعید الدین حسین

کویت

ایک اسلامی ریاست

موسم کے اعتبار سے کویت گرمیوں میں نہایت ہی تکلیف دہ ثابت ہوتا ہے اور بعض اوقات درجہ حرارت ۱۱۰ بلکہ ۱۲۰ درجہ فارن ہیٹ تک پہنچ جاتا ہے، اکتوبر اور مارچ کے درمیان اگر بارشیں اچھی ہو جاتی ہیں تو کچھ سبزہ نظر آتا ہے ورنہ دور دور تک سوائے اڑتی ہوئی ریت کے دوسری چیز کا نشان نہیں ملتا۔ اگست اور ستمبر میں چند ہفتے ہوا خاصی مرطوب ہو جاتی ہے، البتہ نومبر سے اپریل تک موسم نہایت ہی خوشگوار ہوتا ہے جبکہ دن کی چمکتی دھوپ اور ٹھنڈی راتوں کا لطف بیان نہیں کیا جا سکتا۔ دسمبر اور جنوری میں سخت سردی پڑتی ہے یہاں تک کہ راتوں کو درجہ حرارت نقطۂ انجماد تک پہنچ جاتا ہے۔ کویت کی آب و ہوا نہایت ہی صحتمندانہ ہے۔

کویت کی قدیم تاریخ سے متعلق بہت کم معلومات موجود ہیں۔ اگرچہ کہ علاقائی اعتبار سے کویت خلیج Mesopotamian کے کنارے واقع ہے لیکن تہذیبی اعتبار سے عرب سے متاثر رہا ہے۔ قدیم آثار یہ بتاتے ہیں کہ کویت یونانی جہازوں کی بندرگاہ بھی رہا ہے اور مختلف قوموں کا کویت میں آنا ثابت ہے لیکن اسلام کی آمد ہی نے کویت کو تاریخ و تہذیب کی دنیا میں لا کھڑا کیا ۶۳۶ء سے جبکہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے Mesopotamian کو فارسیوں ایرانیوں کے قبضے سے نجات دلائی تھی، کویت میں اسلام میں اقتدار کے تیرھویں صدی کے وسط تک کویت متواتر دو عرب سلطنتوں اُمیہ (۶۶۱ء سے ۷۴۹ء تک) اور عباسیہ (۷۵۰ء سے ۱۲۵۸ء تک) کا حصہ رہا تھا، اور اس زمانے میں کویت بغداد و بصرے کی تہذیب و تمدن سے جگمگا رہا تھا، یہ زمانہ کچھ علم و فن کے اعتبار سے اسلام کا سب سے زریں دور سمجھا جاتا ہے تیرھویں صدی میں یہ دور منگول غلبے کے تحت ختم ہوا۔ اس المیے نے کویت کو بھی متاثر کیا اور اس پر بیرونی یورشیں ہونے لگیں۔

عثمانی ترکوں کے عروج نے دوبارہ کویت کو کئی صدیوں تک ایک دوسری متضاد القوم مسلم سلطنت کا حصہ بنا دیا اگرچہ کویت کا تمام شمالی علاقہ ترکوں کے زیر نگیں تھا لیکن Mesopotamian مرکزی طور پر خود مختار سا تھا۔ جب تک Mediterranean اور بحر احمر میں ترکی فوجوں کا اقتدار رہا کویت میں سیاسی اعتبار سے پائیداری پائی جاتی تھی، ترکی کی بحری طاقت کے زوال اور مغربی بحریہ کے عروج نے کویت کے استحکام کو نقصان

پہنچایا اور کویت نے اپنے لئے ۱۸۹۹ء میں برطانوی حفاظت اختیار کی۔

آج کے کویت کا دور دراصل اٹھارویں صدی کے وائل سے شروع ہوا جبکہ Anaiza قبیلہ کے کچھ خاندان ایک مضبوط اور آزاد وطن کی تلاش میں اندرون عرب سے خلیج کے ساحلوں پر منتقل ہوئے۔ ترکوں کے ڈر کی وجہ سے یہ قبائل جنوب کی طرف بڑھتے گئے، یہاں تک کہ ان کو کویت کی خلیج کے جنوبی ساحل پر موزوں جگہ مل گئی انہی ہجرت کرنے والوں میں ایک خاندان الصباح نامی بھی تھا۔

کویت کی خود مختار شیخ سلطنت ۱۷۵۶ء میں وجود میں آئی جبکہ وہاں رہائش اختیار کرنے والوں نے اپنے لئے ایک سردار چنا تاکہ وہ ان کی حفاظت کر سکے اور استنبول سے تعلقات قائم کرنے میں نمائندہ ثابت ہو۔ اس مقصد کے لئے انھوں نے الصباح خاندان کو اپنا سربراہ مقرر کیا۔ شیخ صباح کے دانشمندانہ دور حکومت میں کویت بہت ہی مختصر عرصے میں جزیرہ نمائے عرب کے اہم مرکزوں کو ملانے والی بندرگاہ بن گیا یہاں تک کہ ۱۷۶۵ء میں یہاں کی آبادی دس ہزار تک پہنچ گئی، جن کی روزی کا دارومدار تجارت، ماہی گیری اور سمندر سے نکالے ہوئے موتیوں کی فروخت پر تھا۔ اس کی بندرگاہ میں اس وقت آٹھ ہزار جہاز تک لنگر انداز ہو سکتے تھے۔

اٹھارویں صدی کے اختتام پر سرزمین عرب میں جنگجو وہابیوں کے جھنڈے تلے اسلامی تجدید کی تحریک نمودار ہوئی جس نے عرب کے مرکز پر قابو پانے کے بعد Mesopotamia کی طرف پھیلنا شروع کیا وہابیوں کے اثر و غلبے سے بچنے کے لئے کویت نے برطانیہ سے تعلقات بڑھانے شروع کئے۔ اسی دوران عرب میں رشید اور سعود خاندانوں میں اقتدار کے لئے کشمکش خوفناک صورت اختیار کر رہی تھی۔ رشید خاندان کو ترکوں کی حمایت حاصل تھی جنھوں نے محمد ابن رشید کی ابتدائی کامیابی سے فائدہ اٹھا کر کویت کے جنوبی ساحلی صوبے پر اپنا اثر بڑھا لیا۔ شیخ مبارک کو اس خوف نے کہ ترک کویت پر قبضہ کر لیں گے، انگریزوں سے مدد لینے پر مجبور کر دیا۔ انجام کار ۱۸۹۹ء میں Bushire کے مقام پر برطانوی نمائندے اور شیخ کے مابین کویت کی علاقائی سالمیت کے تحفظ کی ضمانت کے معاہدے پر دستخط ہو گئے۔

یہ معاہدہ کویت کے لئے انتہائی اہمیت کا حامل تھا کیونکہ اس کی وجہ سے پہلی بار کویت کے کسی ملک نے سرکاری طور پر آزاد ہونے کا اقرار کیا تھا، اس طرح ۱۸۹۶ء سے ۱۹۱۵ء تک کے شیخ مبارک کے دور حکومت نے کویت کے غیر معین مرتبے کو برطانیہ کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کے سلسلے میں نیم آزاد سلطنت کی حیثیت معین کر دی۔ جنگ عظیم کے دوران کویت کے برادرانہ طور پر برطانیہ کو امداد دینے کی وجہ سے برطانیہ نے سرکاری طور پر کویت کو "برطانیہ کے زیر حفاظت آزاد حکومت" کے طور پر تسلیم کر لیا۔ جنگ کے دوران کویت مکمل آزادی کی طرف مسلسل بڑھتا رہا۔ ۱۹۲۲ء میں کویت کی حدود عراق اور سعودی عرب کے ساتھ متعین ہو گئیں اور جنوب میں ایک خط غیر جانبدار قرار پایا جس پر سعودی عرب اور کویت دونوں کو مساوی حقوق حاصل تھے۔

کویت کی آمدنی کا انحصار اصلاً صنعت جہاز سازی پر تھا۔ کویت ساگوانی لکڑی کے بنے ہوئے جہاز اپنی مضبوطی اور سمندری حالات کا مقابلہ کرنے کی اہلیت رکھنے کی وجہ سے بہت مشہور تھے، یہاں کے بنے ہوئے جہاز بصرہ کی کھجوریں ہندوستان، عرب اور مشرقی افریقہ پہنچاتے تھے اور ہندوستان سے ساگوانی لکڑی، زنجبار Mangrove Pole سے Zanzibar اور دوسرے ممالک سے مختلف چیزیں کویت لاتے تھے جہازوں کی طرح کویت کے ملاح بھی اپنی قابلیت اور ج

کی مہارت کی وجہ سے اتنے ہی مشہور تھے۔ موتیوں کی تجارت کویت کی خوشحالی میں دوسرا اہم کردار ادا کرتی ہے، خلیج میں دنیا کے بہترین موتی پائے جاتے ہیں۔

شیخ احمد کے دور حکومت ۱۹۲۱ء سے ۱۹۵۰ء تک کویت اپنے کو نئے زمانہ کے مطابق بنانے کی کوششیں کرتا رہا اور اس کی آبادی جو ۱۹۱۲ء میں صرف پینتیس ہزار تھی ۱۹۳۶ء میں پچہتر ہزار تک پہنچ گئی۔ بہرحال جس چیز نے شیخ احمد کے دور حکومت کو تاریخی اہمیت بخشی وہ تیل کی دریافت تھی جس نے کویت کو دنیا کے دولتمند ترین ملکوں میں سے ایک بنا دیا۔

اگلے حکمران شیخ عبداللہ کے دور حکومت ۱۹۶۱ء میں کویت ایک عظیم مملکت بن گیا جبکہ ۱۸۹۹ء والے برطانیہ کے ساتھ حفاظتی معاہدے کی میعاد ختم ہوگئی۔ اسی سال کویت نے عرب لیگ میں شمولیت اختیار کرلی۔ اور ۱۹۶۳ء میں اقوام متحدہ کا ایک سو گیارہواں رکن بن گیا۔ ۱۹۶۲ء میں ایک دستور نافذ کیا گیا جس کی رو سے پچاس ممبروں پر مشتمل ایک قومی اسمبلی چار سال کے عرصے کے لئے منتخب کی جاتی ہے اور اعلیٰ اختیارات وزیروں کی ایک کونسل کو حاصل ہوتے ہیں۔ کویت کی اپنی ایک کرنسی دینار ہے جو کہ دنیا کی مستحکم ترین کرنسیوں میں شمار کی جاتی ہے۔

کویت کی خوشحالی اور دولت کا انحصار تیل کی دریافت اور اس صنعت کے فروغ پانے پر ہے۔ جنگ عظیم سے پہلے تیل نکالنے کا کام امریکی اور برطانوی فرموں کے اشتراک سے بننے والی کمپنی کرتی تھی۔ اس نے یہ کام ۵، ۷ سال تک کیا، بہرحال تیل کی دریافت کا اصل کام جنگ کے بعد ہی شروع ہوا، لیکن تجارتی بنیاد پر خام تیل کی فراہمی ۱۹۴۶ء سے شروع ہوئی۔

تیل کے کنوؤں کی تعداد جو کہ ۱۹۴۶ء میں صرف آٹھ تھی ۱۹۵۶ء میں دو سو گیارہ ہوگئی اور ۱۹۶۲ء میں چارسو دس تک پہنچ گئی، ان کنوؤں سے خام تیل کی پیداوار ۱۹۵۶ء میں اعشاریہ آٹھ ملین ٹن سے ۱۹۶۶ء میں ۱۲۳ر۳ ملین ٹن تک پہنچ گئی۔ کویت میں تیل کے ذخائر کا اندازہ ۸۶ر۸ ملین ٹن تک، کا کیا جاتا ہے جو کہ دنیا بھر کے ذخائر کا اٹھارہ اعشاریہ چھ فیصد ہے۔ اتنی بڑی مقدار میں یہ کالا سونا کسی اور ملک سے نکالا نہیں جا سکا۔

تیل کی دریافت کے ساتھ تیل سے متعلق صنعتوں کا قیام بھی عمل میں آیا جس میں تیل کو صاف کرنے والے اور کیمیاوی کھاد تیار کرنے والے اور دوسرے کارخانے بھی شامل ہیں۔ کویت میں ایک تیل بردار جہاز بنانے والی کمپنی بھی بنائی گئی جو کہ ایک تیل لیجانے والے جہازوں کا بیڑہ تیار کرنے میں مصروف ہے۔ ۱۹۶۶ء کے خاتمے تک کویت کے جہاز ۵۴۴،۰۰۰ ٹن تک تیل لیجانے کے قابل ہو جائیں گے۔

کویت کی تجارت کے پھلنے اور پھولنے کا ایک بڑا سبب حکومت کی برائے نام کسٹم ڈیوٹی ہے جو محض ۴ فیصد کے حساب سے حسب مالیت وصول کی جاتی ہے جبکہ تمام تازہ ترکاریاں، پھل اور بھیڑ بکریاں ڈیوٹی سے مستثنٰے ہیں۔ اور درآمد کے لئے امپورٹ لائسنس یا کوٹہ سسٹم وغیرہ کی قسم کی پابندیاں بھی نہیں ہیں۔ البتہ اسرائیل، جنوبی افریقہ اور پرتگال سے تجارت کرنے پر پابندی ہے۔ تجارت کی ان سہولتوں کی وجہ سے کویت کی درآمد و برآمد تیل کو چھوڑ کر بہت بڑھ گئی ہے۔ اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ ۱۹۵۷ء میں ۳ر۴ ملین کویتی دینار سے برآمد بڑھ کر ۱۹۶۵ء میں ۱۱ر۱۴ کویتی دینار ہوگئی اور اسی طرح درآمد ۱۹۵۷ء ۹ر۲۹ ملین کویتی دینار سے بڑھ کر ۱۹۶۵ء ۷ر۲۴۳ ملین ہوگئی۔

پاکستان ان سو ملکوں میں سے ہے جن کے ساتھ کویت کے تجارتی تعلقات قائم ہیں، پاکستان سے کویت کو جانے والی چیزوں کی مالیت جو کہ ۱۹۶۱ء میں ۲۲،۲۳۷ کویتی دینار تھی ۱۹۶۳ء میں بڑھ کر ۱۵۵۳۴۹۴ دینار اور

۱۹۶۵ء میں ۲۰۹۱،۷۵۰ کویتی دینار ہوگئی جبکہ کویت سے پاکستان میں آنے والی چیزوں کی مالیت جو کہ ۱۹۶۰ء میں ۱۴۱۲۸۱ کویتی دینار تھی ۱۹۶۵ء میں تھوڑی سی بڑھ کر ۵،۷۵،۱۴۸ دینار ہوگئی، پاکستان سے کویت کو جانے والی چیزوں میں چاول۔ چائے۔ بجلی کا سامان۔ پائپ اور فٹنگ کی اشیاء۔ کھیلوں کے سامان جوتے اور سوتی کپڑے شامل ہیں۔

کویت کی انتظامیہ کی زیادہ سے زیادہ کوشش یہ ہے کہ کویت کو ایک مکمل فلاحی مملکت میں تبدیل کر دیا جائے۔ وہاں کی فی کس آمدنی ایک ہزار اسٹرلنگ پونڈ ہے جو کہ دنیا بھر میں سب سے زیادہ ہے۔ وہاں کی حکومت نے عوام کی فلاح وبہبود کے لئے بے شمار منصوبے تیار کئے ہیں کویت کا ہر پانچواں باشندہ ایک طالب ہے اور ہر ۹۲ واں فرد استاد ہے۔ کویت کی ۵۰۰،۰۰۰ کی آبادی کے لئے تقریباً ۱۷۰ تعلیمی ادارے ہیں جن میں ۵ ٹیکنیکل کالج بھی شامل ہیں اور تقریباً ۹۲،۰۰۰ طالبعلموں کے لئے ۱۵۰۳۶ استاد ہیں تعلیم یونیورسٹی کے درجے تک مفت ہے اور طالبعلموں کی خوراک کا بندوبست بھی حکومت کی جانب سے کیا جاتا ہے تعلیم پر جملہ اخراجات ۱۱٫۵ ملین کویتی دینار ہوتے ہیں۔

کویت میں ہر ۷۰۰ آدمیوں پر ایک ڈاکٹر ہے۔ فی الوقت پانچ بڑے ہسپتالوں میں سے تین حکومت کی جانب سے چلائے جاتے ہیں۔ ایک ٹی۔ بی ہاسپٹل، ایک دماغی امراض کا ہسپتال اور متعدی بیماریوں کے علاج کے لئے بھی ایک ہسپتال قائم ہے، یہی وجہ ہے کہ وہاں وبائی بیماریوں کا نام ونشان بھی نہیں ہے۔

شہری استعمال کے لئے سمندر کے پانی کو صاف کرنے کا ایک پلانٹ بھی کویت میں کام کر رہا ہے جو کہ ہر روز گیارہ ملین گیلن پانی فراہم کرتا ہے۔ بجلی کی پیداوار کیلئے دو پاور اسٹیشن قائم ہیں جن کی مجموعی پیداوار ۲۰۰،۰۰۰ کیلوواٹ ہے۔ شہر کے مختلف حصوں کو چوڑی سڑکوں کے جال سے آپس میں ملا دیا گیا ہے، کویت کو عراق اور دوسرے علاقوں سے ملانے کے لئے تین بڑی شاہراہیں تعمیر کی گئیں ہیں۔

فلسطین سے Palestine سے ہجرت کر کے آنے والوں کی ضروریات کے حساب سے شہر کی منصوبہ بندی کی جا رہی ہے اور چھ چھ ہزار کی آبادی پر مشتمل ایک کالونی کی اسکیم پر عمل ہو رہا ہے، پرانی عمارتوں کو مسمار کر کے ان کی جگہ نئی عمارات تعمیر کی جا رہی ہیں۔ کویت کی اپنی ہوائی کمپنی بھی ہے، جس کے طیارے بین الاقوامی راستوں پر پرواز کرتے ہیں۔

غرضیکہ کویت کی کہانی ایک موتیوں اور کشتیوں کی تجارت کرنے والے گاؤں سے شروع ہو کر تیل کی دولت سے مالامال ایک جگمگاتے شہر و ملک پر ختم ہو جاتی ہے۔

اپنی آزادی کے وقت سے ہی کویت نے ایک اعتدال پسند خارجہ پالیسی اختیار کی ہوئی ہے جو کہ اپنی اور عرب قوم کے مفاد پر مشتمل ہے، عرب طاقتوں کی باہمی چپقلشوں میں کویت ہمیشہ غیر جانبدار رہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ یمن کی خانہ جنگی کو بند کرانے اور سعودی عرب و مصر کے درمیان بات چیت و مفاہمت کا کام کویت ہی نے انجام دیا۔

جب جون ۱۹۶۷ء میں مصر اور اسرائیل کے مابین جنگ کے آثار نمودار ہوئے تو کویت ہی نے سب سے پہلے اپنی فوجیں مصر روانہ کی تھیں اور مغربی ممالک کو تیل کی سپلائی روکنے میں بھی عراق کے بعد کویت ہی کا نمبر تھا، اس جری قدم کو کویت نے جذباتی کی بجائے پوری دانشمندی سے اٹھایا تھا کیونکہ Syria کے Ba'athists کی رائے کے خلاف کویت نے تیل کی پائپ لائنیں اور دیگر تنصیبات اڑا دینے کی بجائے انھیں سیل کر دیا تھا۔

Khartoum Summit Conference میں کویت نے سعودی عرب اور لیبیا کے ساتھ مصر اور اردن Jordan کو ۱۴۰ ملین ڈالر کا قرضہ منظور کرتے

محمد نیاز

اے میری بہن!

خال و خد کی، دلکشی، عریاں بدن کا بانکپن
اور ارزاں، اور ارزاں انجمن در انجمن
اور یہی دلکش تبسم اور چنچل قہقہے
اور آوارہ ترنم اور پاگل چہچہے
ہر گلی کوچے میں نغمہ نقرئی آواز کا
ہر محل میں شور و شر حرص و ہوس کے ساز کا
ہاں تجارت دلبری کی تیز تر رفتار سے
ناقۂ لیلےٰ بدلتی جائے موٹر کار سے
وقف خاص و عام ہر محفل میں جامِ زرنگار
ہر جگہ تشکیلِ میخانہ بچشمِ پُر خمار

نیم شب کی چاندنی میں محفلِ عشرت سجے
بیچ میں لہرائے گوری، لب ہلیں، پائل بجے
یہ ہیں عارض، یہ ہیں لب، یہ چشم و سر، یہ چوٹیاں
اہلِ زر! ان کے عوض، بہرِ کرم! دو روٹیاں
جسم کا بیوپار ہے یہ، روح کا نیلام ہے
اونچی اونچی کوٹھیوں والو! صلائے عام ہے

ماہ وش! اے ماہ وش! تکلیف اٹھا، آرام دے
رات بھر کردارِ حیوانی کو فن کا نام دے
بے مشقت میں نہ جی سکتا ہوں دنیا میں نہ تو
ناچ اے میری بہن! اے میرے گھر کی آبرو!

(بشکریہ دوام ٹانڈہ)
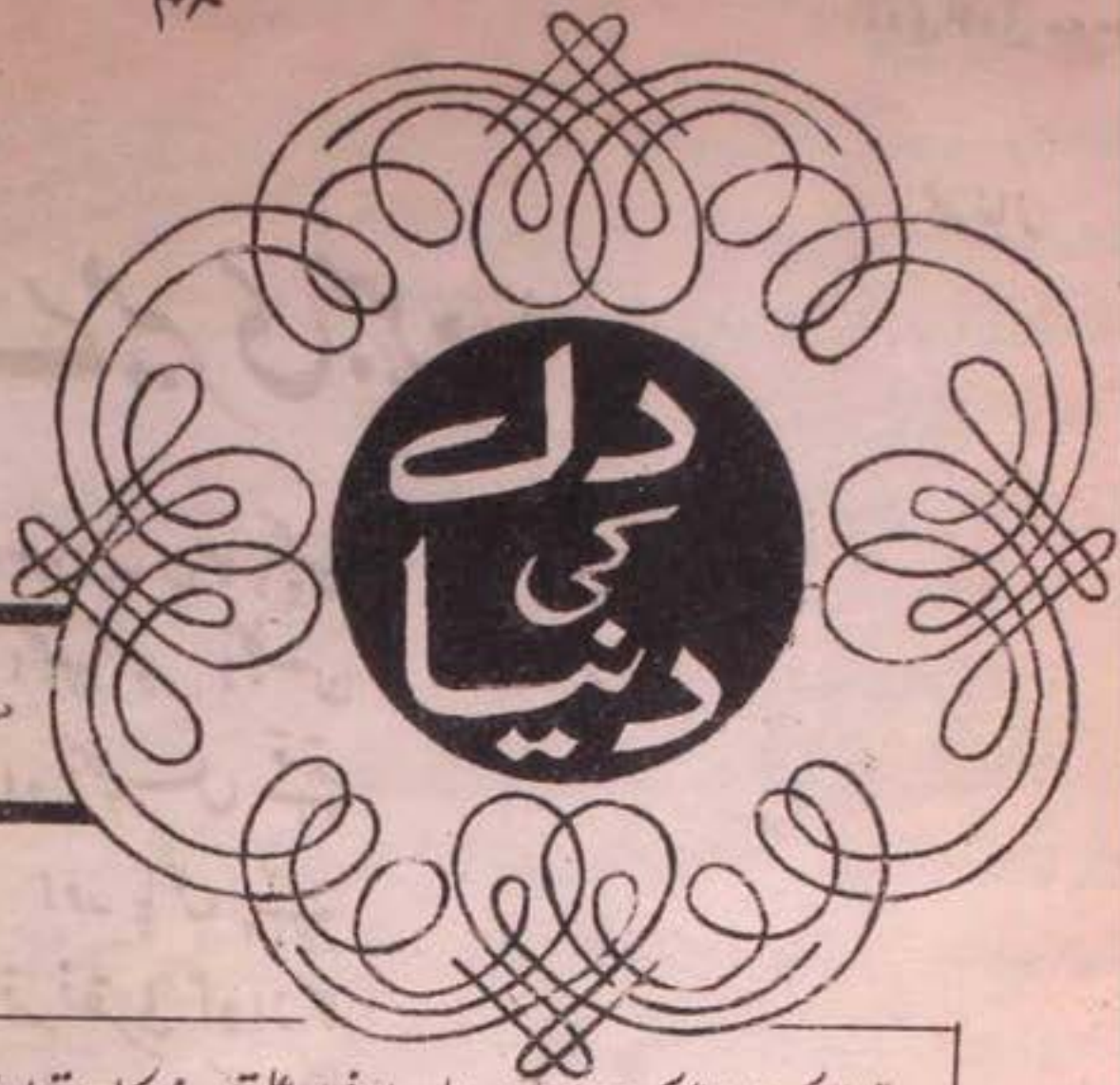
دل کی دنیا

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

"دل کی دنیا" کے عنوان سے البلاغ میں علم تصوف کا جو تعارف شروع کیا گیا تھا، وہ اندازے سے زیادہ مقبول ہوا، لیکن افسوس ہے کہ ہم اپنی چند ناگزیر مجبوریوں کے سبب چھ شماروں کے بعد اس سلسلے کو جاری نہ رکھ سکے، اس عرصے میں ہمارے قارئین نے بار بار اس سلسلے کو دوبارہ شروع کرنے کا مطالبہ کیا، چنانچہ اب اسے پھر سے شروع کیا جا رہا ہے، اور کوشش کی جائے گی کہ اب ناغہ نہ ہو، یہ بات ذہن میں رکھئے کہ یہ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی تقاریر ہیں جنھیں ادارہ البلاغ نے ضبط کیا ہے۔

جمادی الثانیہ ۱۳۹۳ھ کے "البلاغ" میں بتایا گیا تھا کہ انسان کے دل میں جو خواہشات پیدا ہوتی ہیں ان کی دو قسمیں ہیں، ایک حقوق نفس دوسرے حظوظِ نفس، حقوق نفس وہ چیزیں ہیں جن پر نفس کی بقاء موقوف ہے، جیسے کھانا پینا سونا جاگنا، حرکت وسکون اور جنسی خواہش کا بقدر ضرورت پورا کرنا یہ سب نفس کے حقوق ہیں جن کا پورا کرنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ خاص حالات میں فرض اور واجب ہے۔ ان حقوق کو چھوڑنا "رہبانیت" کے ذیل میں آتا ہے جو اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔

دوسری قسم "حظوظ نفس" سے مراد نفس کی وہ لذتیں ہیں جو بقاء نفس اور بقاء نسل کی ضرورت سے زائد ہوں، صوفیاء کرام کی اصطلاح میں "نفس کشی" اور "مخالفتِ نفس" سے مراد انہی لذتوں کو چھوڑنا ہے جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان غیر ضروری نفسانی لذتوں کا خوگر نہ بنے، اور یہی چیز ہے جس کی طرف قرآن کریم نے ان الفاظ میں توجہ دلائی ہے:

واما من خاف مقام ربہٖ ونھی النفس عن الھویٰ فان الجنۃ ھی الماویٰ۔

"اور رہا وہ شخص جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور اس نے اپنے نفس کو خواہشات سے روکا تو جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے۔"

قرآن وسنت کی اصطلاح میں "ھویٰ" جو "ھدیٰ" کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے اس سے مراد وہی خواہشات نفسانی ہیں جو "حظوظ" کی قسم میں داخل ہیں۔ انہی سے بچنے کے لئے "مجاہدات" اور "ریاضتوں" کی ضرورت پیش آتی ہے۔

"مجاہدہ" کی حقیقت یہ ہے کہ ناجائز کاموں اور گناہوں سے بچنے کے لئے بعض جائز کاموں کو ترک کرنے کی بھی عادت ڈالی جائے، ایسے مجاہدات خود مقصود نہیں ہوتے بلکہ جب نفس پر قابو پالینے کا اطمینان ہو جائے ترک کر دیئے جاتے ہیں۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں "مجاہدہ" کی مثال ایسی ہے جیسے کتاب کا ایک ورق دائیں جانب مڑ جائے تو آپ اسے لاکھ سیدھا کرنا چاہیں تو اس وقت تک سیدھا نہ ہوگا جبتک اسے بائیں جانب نہ موڑ دیں بالکل اسی طرح مجاہدہ کا اصل مقصد تو یہ ہے کہ نفس کو حلال پر مستقیم اور سیدھا کیا جائے، لیکن جو نفس حرام کا خوگر بنا ہوا ہو، اُسے حلال پر اسی وقت سیدھا کیا جا سکتا ہے جب کچھ روز اسے کچھ جائز و حلال کاموں سے بھی پرہیز کرایا جائے اسی لئے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ترکنا تسعة أعشار الحلال خشية الحرام۔

ہم نے حرام کے ڈر سے حلال کے بھی دس میں سے نو حصے چھوڑ دیئے۔

اور یہ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر عمل ہے کہ:

الحلال بیّن والحرام بیّن وبینهما مشتبهات ومن حال حول الحمیٰ اوشک ان یقع فیه" اوکما قال صلی اللہ علیہ وسلم۔

"حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی، اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں، اور جو شخص چراگاہ کے ارد گرد گھومتا ہے قریب ہوتا ہے کہ وہ اس میں جا پڑے۔"

عام مشاہدہ ہے کہ جماعت کی ٹھیک ٹھیک پابندی (کہ تکبیر اولیٰ بھی فوت نہ ہو) اسی وقت ہو سکتی ہے جب آدمی تحیۃ المسجد کا عادی ہو، لہٰذا اگر کوئی شخص "تحیۃ المسجد" کی (جو خالصۃً نفل ہے) اس لئے پابندی کرے کہ اس کی وجہ سے نماز باجماعت کی پابندی ہو سکے تو یہی "مجاہدہ" ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص حرام و ناجائز گفتگو سے بچنے کے لئے اپنے آپ کو کم گوئی کا عادی بنائے تو اسی کو "مجاہدہ" کہا جائے گا۔

قدیم زمانے کے صوفیاء کرام نے اس مقصد کے لئے بڑے سخت اور پر مشقت مجاہدات کئے ہیں، ان کے یہاں اجمالی طور سے چار مجاہدات کا رواج تھا۔ ترکِ طعام، ترکِ منام، ترکِ کلام، ترکِ اختلاط مع الانام۔

ہمارے زمانے کا مجاہدہ

لیکن ہمارے زمانے میں قویٰ ان سخت مجاہدات کے متحمل نہیں ہیں اس لئے ہمارے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ نے مجاہدہ میں "ترک" کو "تقلیل" سے بدل دیا ہے، حضرت رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ اس زمانے میں اگر کھانا پینا سونا بالکل چھوڑ دیا جائے تو صحت کی خرابی کی وجہ سے فائدے کے بجائے اُلٹا نقصان کا خطرہ ہے۔ اس لئے آج کا مجاہدہ یہ ہے کہ ان چیزوں میں قدرِ ضرورت تک کمی کی جائے۔

پھر ان میں بھی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں کھانے اور سونے کی کمی پر تو زور نہیں دیتا۔ کیونکہ اس کی حدود کا پتہ لگانا شیخ کے لئے بھی مشکل ہوتا ہے۔ جبتک حالات کا بالکل صحیح صحیح علم نہ ہو بسا اوقات اس سے صحت خراب ہو جاتی ہے۔ البتہ حضرت رحمہ اللہ کے یہاں دو چیزوں پر سخت پابندی تھی تقلیل کلام اور تقلیل اختلاط یعنی آپ اپنے متوسلین کو گفتگو کم کرنے اور لوگوں سے کم ملنے جلنے کی مشق کرواتے تھے۔ لہٰذا جو شخص اپنے اعمال و اخلاق کی اصلاح چاہتا ہے، اس کے لئے ان دو

چیزوں میں مجاہدہ کرنا ضروری ہے۔

ان دونوں چیزوں پر پابندی کا عمل شروع سے چلا آتا ہے، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی انگوٹھی پر نقش کرایا ہوا تھا کہ:

قل الخیر والا فاصمت

بھلائی کی بات کہو، ورنہ خاموش رہو

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے دو متضاد مقولے مشہور ہیں، ایک یہ کہ

اقلل من معرفۃ الناس

لوگوں سے جان پہچان کم کرو۔ اور دوسرے

اکثر من معرفۃ الناس

لوگوں سے جان پہچان زیادہ پیدا کرو

لیکن درحقیقت دونوں میں تضاد نہیں۔ پہلے جملے میں لوگوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو دین کی طرف سے غفلت کا شکار ہیں۔ اور دوسرے جملے میں وہ لوگ مراد ہیں جو دین کے پابند ہیں اور اللہ سے لو لگائے ہوئے ہیں۔

ایک اہم بات

لیکن یہاں ایک اہم بات یاد رکھنے کی ہے۔ اور وہ یہ کہ لوگوں سے میل جول کم رکھنا بلاشبہ "مجاہدہ" کا ایک اہم جزء ہے۔ لیکن اس میں یہ نیت ہرگز نہ ہونی چاہئے کہ لوگ خراب ہیں، اس لئے ان سے پرہیز کیا جا رہا ہے، کیونکہ یہ تو عین تکبر اور خود پسندی ہے، بلکہ دوسروں سے دور رہنے میں نیت یہ کرنی چاہئے کہ میرے اعمال خراب ہیں اور میں قلب کے اعتبار سے بیمار ہوں، اس لئے کہیں یہ میری بیماری دوسروں کو نہ لگ جائے۔ اس کے برخلاف اگر کوئی شخص دوسرے لوگوں کو اپنے سے خراب اور اپنے سے زیادہ فاسق و فاجر سمجھ کر ان سے الگ رہیگا تو اس تکبر سے تو بازاروں میں پھرنا اچھا ہے۔

بہرحال، اکم گوئی اور لوگوں سے کم میل جول کی عادت ڈال لی تو وقت بھی بچے گا۔ اور انشاء اللہ بہت سے گناہوں سے بھی خود بخود نجات مل جائے گی۔

"مجاہدہ" کے بعد اصلاح اعمال کے لئے کون کون سے اقدامات ضروری ہیں؟ ان کا بیان انشاء اللہ آئندہ ہوگا

آپ کے سوال

مولانا محمد رفیع عثمانی

غیر مسلموں کے ساتھ مسلمانوں کی کیا روش ہونی چاہیے۔؟

نیز کیا ان کے ساتھ سلام و دعا جائز ہے؟

(مشتاق محمود خاں۔ ہیڈ ڈرافس مین
قلات خریداری نمبر ۱۳۶)

کفار کے ساتھ مسلمانوں کی روش کے بارے میں اسلام نے چند اصول مقرر کر دیئے ہیں، وہ یہاں دلائل کے ساتھ نمبروار ذکر کئے جاتے ہیں، آخر میں جواب کا خلاصہ اور بعض جزوی مسائل کا حکم بھی بیان کر دیا جائے گا۔

(۱) پہلا اصول یہ ہے کہ کفار کے ساتھ جہاد اپنی نوعیت کی بہترین عبادت ہے، جو بعض حالات میں واجب اور فرض عین بھی ہو جاتی ہے۔ (یہ اصول چونکہ بہت معروف ہے اس لئے اس کی دلیل ہم یہاں بیان کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے)

(۲) دوسرا اصول یہ ہے کہ ان پر ظلم کسی حال جائز نہیں۔ بلکہ ہر حال میں عدل و انصاف واجب ہے۔ قرآن حکیم کی واضح ہدایت ہے کہ۔

وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَنْ لَّا
تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی
وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

کسی قوم کی عداوت تم کو اس پر ہرگز برانگیختہ نہ کرے کہ تم عدل کو چھوڑ دو، عدل کرو یہی بات تقویٰ کے زیادہ قریب ہے، اللہ کو خوب خبر ہے جو تم کرتے ہو (سورۂ مائدہ رکوع ۲)

سورۂ مائدہ ہی کے پہلے رکوع میں ایک اور آیت ہے کہ

وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْکُمْ
عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ؎

(تم کو اس قوم کی دشمنی جو تم کو مسجد حرام سے روکتی تھی ہرگز اس پر برانگیختہ نہ کرے کہ تم زیادتی کرنے لگو)

اس آیت میں ان مشرکین مکہ پر ظلم کرنے سے بھی سختی سے روکا گیا ہے جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے روکا ——— جس کا حاصل یہ ہے کہ کفار کے ساتھ سخت سے سخت دشمنی میں بھی ظلم کرنا اور حق و انصاف کو چھوڑ دینا جائز نہیں۔

(۳) تیسرا اصول یہ ہے کہ کفار کے ساتھ مصالحت جائز ہے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَھَا

اور اگر وہ (کفار) جھکیں صلح کی طرف تو تو بھی

جھک اسی طرف (سورۂ انفال ع ۸)

(۴) چوتھا اصول یہ ہے کہ ان کے ساتھ دوستی جائز نہیں، چنانچہ قرآن حکیم نے تنبیہ کردی ہے کہ

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی اَوْلِیَآءَ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ط وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ مِّنْکُمْ فَاِنَّہٗ مِنْھُمْ ط

(اے ایمان والو، یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ - وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں، اور تم میں سے جو اُن سے دوستی کرے وہ انہی میں ہے۔ (سورۂ مائدہ رکوع ۸)

یہاں یہودیوں اور عیسائیوں (اہل کتاب) سے دوستی کو سختی سے منع کیا گیا ہے ———— ایک دوسری آیت میں اہل کتاب کے علاوہ دوسرے کفار سے بھی دوستی کے ناجائز ہونے کی صراحت کردی گئی ہے۔ ارشاد ہے کہ

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَکُمْ ھُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَالْکُفَّارَ اَوْلِیَآءَ۔

اے ایمان والو جنھوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنایا، جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی ان کو اور کفار کو دوست مت بناؤ (مائدہ ع ۹)

اس آیت میں ہر قسم کے کفار سے دوستی کو صراحت سے منع کردیا گیا ہے۔

(۵) پانچواں اصول یہ ہے کہ کفار کے ساتھ احسان اور حسن سلوک جائز بلکہ مستحب ہے۔ قرآن حکیم کی ہدایت ہے کہ

وَاَحْسِنْ اِلٰی مَنْ اَسَآءَ اِلَیْکَ ۔

اور تو احسان کر اس کے ساتھ بھی جس نے تیرے ساتھ برائی کی۔

اور سورۂ توبہ میں ارشاد ہے

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ اسْتَجَارَکَ فَاَجِرْہُ۔

اور اگر کوئی مشرک تجھ سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دیدے (رکوع ۱)

اور ظاہر ہے کہ کفار کے ساتھ سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ ان کو حسن تدبیر سے اسلام کی دعوت دی جائے اور ان کے مشرف باسلام ہونے کی دعا کی جائے۔ دنیاوی امور میں بھی ان پر احسان کیا جاسکتا ہے اس کی مثالیں بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں بکثرت ملتی ہیں۔

(۶) چھٹا اصول یہ ہے کہ عام حالات میں کفار کی تعظیم مثلاً ان کے لئے کھڑا ہونا وغیرہ جائز نہیں، ان کی قبر پر تعظیماً کھڑے ہونے کا بھی یہی حکم ہے، سورۂ توبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کی گئی کہ

وَلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِہٖ اِنَّھُمْ کَفَرُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ۔

یعنی آپ ان میں سے کسی کی قبر پر کھڑے نہ ہوں انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے۔ (رکوع ۱۱)

کفار کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا بھی تعظیم میں داخل ہے اور احادیث میں اس کی سخت ممانعت آئی ہے۔

البتہ اگر کسی کافر کے ساتھ تعظیم کا معاملہ کسی دینی مصلحت سے کیا جائے یا یہ خوف ہو کہ اگر تعظیم کا سا سلوک نہ کیا گیا تو وہ نقصان پہنچائے گا تو اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اس کے کفر کو دل سے بُرا ہی سمجھتا رہے۔ (ردالمحتار ج ۵ ص ۳۴۹)

(۷) ساتواں اصول یہ ہے کہ کفار کے لئے دعائے مغفرت جائز نہیں۔ چنانچہ قرآن حکیم میں اس کے بارے میں کی ہدایت کی گئی ہے، ارشاد ہے کہ

مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ

يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ۔

لائق نہیں نبی کو اور مسلمانوں کو کہ وہ مشرکین کے لئے دعائے مغفرت کریں اگرچہ وہ رشتہ دار ہوں، جبکہ ان پر یہ بات کھل چکی کہ وہ جہنم والے ہیں۔ (سورۂ توبہ ع ۱۴)

(۸) آٹھواں اصول یہ ہے کہ ان کی ہدایت اور اصلاح کی دعا جائز ہے۔ نیز ایسے دنیاوی منافع کی دعا بھی جائز ہے جن سے مسلمانوں کا نقصان پہنچنا لازم نہ آتا ہو، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احد کے موقع پر مشرکین مکہ کے لئے دعا فرمائی کہ

رَبِّ اهد قومی فانهم لا يعلمون

اے میرے پروردگار میری قوم (مشرکین مکہ) کو ہدایت دے وہ (حق کو) نہیں جانتے۔ اور اسی طرح کئی واقعات عہد رسالت میں موجود ہیں۔

فتاویٰ شامیہ میں ہے کہ "اگر کسی کافر پڑوسی کا کوئی رشتہ دار مرجائے تو اس کی تعزیت کرنی چاہئے اور یہ دعا دینی چاہئے کہ "اللہ تجھے نعم البدل دے اور تیری اصلاح کرے" (رد المحتار ص ۲۴۳ ج ۵)

خلاصہ | مذکورہ بالا آٹھ اصولوں کا خلاصہ صرف چار میں اس طرح کیا جاسکتا ہے کہ

(۱) کفار کے ساتھ جہاد جائز اور بعض حالات میں فرض ہے، مگر ان پر ظلم کرنا کسی حال جائز نہیں۔

(۲) کفار کے ساتھ مصالحت جائز ہے مگر دوستی جائز نہیں۔

(۳) ان کے ساتھ احسان کرنا جائز ہے مگر تعظیم جائز نہیں

(۴) ان کے لئے ہدایت و اصلاح کی دعا جائز ہے مگر جو کفر کی حالت میں مرگیا ہو اس کے لئے دعائے مغفرت جائز نہیں۔

کفار کے ساتھ سلام و دعا

دعا کا حکم تو اصول ۷ و ۸ سے معلوم ہوگیا، اور سلام کرنے کا حکم یہ ہے کہ کفار کو از خود سلام کرنا تو بغیر ضرورت کے جائز نہیں کیونکہ ایسا کرنے میں ان کی تعظیم ہے، نیز سلام درحقیقت سلامتی کی دعا ہے جس میں دعائے مغفرت بھی آجاتی ہے۔ اور کفار کے حق میں تعظیم اور دعائے مغفرت دونوں ناجائز ہیں جیسا کہ پیچھے اصول ۵ و ۸ میں گذر چکا، لہٰذا از خود سلام کرنے سے گریز کرنا چاہئے۔

البتہ اگر وہ خود کسی مسلمان کو سلام کریں تو جواب میں صرف "وعلیکم" کہا جاسکتا ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

کفار کو ابتداءً سلام نہ کرو، البتہ وہ سلام کریں تو تم جواب میں صرف "وعلیکم" کہدو۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۳۹۸)

لیکن اگر کسی ضرورت یا دینی مصلحت کا تقاضا ہو تو ان کو ابتداءً بھی سلام کیا جاسکتا ہے۔ تاہم اس صورت میں بھی بہتر یہ ہے کہ "السلام علیکم" کی بجائے "سلام علی من اتبع الهدیٰ" کہا جائے (یعنی سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی) ——— چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم کو جو تبلیغی خط بھیجا تھا اس میں سلام کی ابتداء آپ نے انہی الفاظ کے ساتھ کی تھی۔

(مشکوٰۃ ص ۳۴۰)

مجبوری کی صورت میں "السلام علیکم" بھی کہہ سکتے ہیں اور مصافحہ کا بھی یہی حکم ہے۔

(درمختار ص ۲۹۳ ج ۳) واللہ اعلم بالصواب

اے ماؤ، بہنو، بیٹیو!

خواتین اسلام سے

مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں

انیسویں حدیث

وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ فِيْ غَزَاةٍ فَاَخَذْتُ نَمَطًا فَسَتَرْتُهُ فَلَمَّا قَدِمَ فَرَاَى النَّمَطَ فَجَذَبَهُ حَتّٰى هَتَكَهُ ثُمَّ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَاْمُرْنَا اَنْ نَكْسُوَا الْحِجَارَةَ وَالطِّيْنَ (رواہ البخاری ومسلم، مشکوٰۃ شریف ص ۳۸۵)

(ترجمہ) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار جہاد کے لئے تشریف لے گئے، آپ کے پیچھے میں نے ایک اچھا عمدہ کپڑا خریدا جس میں باریک جھالر تھی اور اس کپڑے کو بطور پردہ کے دروازہ پر لٹکا دیا جب آپ تشریف لائے تو اس کپڑے کو دیکھ کر (اس زور سے) کھینچا کہ جس سے وہ چاک ہو گیا پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ حکم نہیں فرمایا کہ پتھروں کو اور مٹی کو کپڑے پہنائیں (مشکوٰۃ شریف ص ۳۸۵)

تشریح: گھروں کی سجاوٹ میں پیسہ خرچ کرنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہ تھا، اسی لئے آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا لگایا ہوا خوبصورت پردہ چاک کر دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ حکم نہیں فرمایا کہ پتھروں کو اور مٹی کو کپڑے پہنائیں، جہاں تک دروازہ پر غیروں کی نظروں سے بچنے کے لئے پردہ ڈالنے کا تعلق ہے وہ ٹاٹ یا موٹے سستے کپڑے سے بھی ہو سکتا ہے قیمتی یا خوبصورت پردہ لٹکانا اس مقصد کے لئے کوئی ضروری نہیں ہے، اس زمانہ میں دیواروں اور دروازوں اور کھڑکیوں پر پردے لٹکانے کا فیشن ہو گیا ہے محض سجاوٹ اور زیب و زینت کے لئے قیمتی اور خوبصورت پردے لٹکائے جاتے ہیں اور اس میں مسلمانوں کے لاکھوں روپے خرچ ہو رہے ہیں پاس پڑوس اور شہر و دیہات کے لاتعداد انسانوں کے پاس تن پوشی کے لئے کچھ نہیں ہے اور ہم غیروں کی دیکھا دیکھی در و دیوار کو پوشاک پہنا کر اپنے لئے لذت نظر کا انتظام کر رہے ہیں، کرتوں اور قمیصوں کے دامن بھی تو اچھی طرح اونچے ہو گئے ہیں، گویا اپنے تن سے بچا کر در و دیوار میں لگا دیا جاتا ہے۔ انسانوں کی حاجتیں اٹکی ہوئی ہیں اور اینٹ و پتھر کے ساتھ سخاوت ہو رہی ہے، درحقیقت یہ سبق عملی طور پر غیروں نے پڑھایا ہے۔ اگر اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات پر چلنے کا ارادہ کرتے تو کبھی فضول خرچی کی طرف ذہن بھی نہ جاتا۔

پھر یہ بات عجیب ہے کہ شرعی پردہ تو خواتین چھوڑتی جا رہی ہیں اور جو پردہ نامحرموں کی نظروں سے بچانے کے لئے تھا وہ در و دیوار کی آرائش کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے، بازاروں اور کپڑے کی مارکیٹوں میں بے حجابانہ منہ کھولے پھرتی ہیں، ذرا سا نقاب چہرے پر ڈالنے کو آمادہ نہیں اور بڑی قیمت کے پردے بلا ضرورت دیواروں پر سجے ہوتے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ سجاوٹ، طہارت نظافت تین چیزیں علیٰحدہ علیٰحدہ ہیں سجاوٹ تو اردو لفظ ہے اس کا مطلب سب ہی جانتے ہیں اور طہارت پاکی کو اور نظافت، صفائی ستھرائی کو کہتے ہیں، طہارت کا حکم دیا گیا ہے ارشاد باری ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ [۵۲]

(بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت توبہ کرنیوالوں اور خوب پاک رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے) ——— اور نظافت کی ترغیب دی ہے چنانچہ ارشاد نبوی ہے کہ نَظِّفُوْا اَفْنِيَتَكُمْ [۵۳] (یعنی اپنے گھروں کے سامنے پڑی ہوئی جگہوں کو صاف ستھری رکھا کرو) لیکن سجاوٹ کا خاص اہتمام کرنا اور اس کے لئے مستقل چیزیں خریدنا اور ذہن کو اس میں الجھانا اور وقت اور پیسہ خرچ کرنا محمود و محبوب نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر چلائے (آمین)

بیسویں حدیث

وَعَنْهَا رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّهَا اشْتَرَتْ نُمْرُقَةً فِيْهَا تَصَاوِيْرُ فَلَمَّا رَاٰهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ عَلَى الْبَابِ فَلَمْ يَدْخُلْ فَعَرَفْتُ فِيْ وَجْهِهِ الْكَرَاهِيَةَ قَالَتْ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ وَاِلٰى رَسُوْلِهِ مَاذَا اَذْنَبْتُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَالُ هٰذِهِ النُّمْرُقَةِ قُلْتُ اشْتَرَيْتُهَا لَكَ لِتَقْعُدَ عَلَيْهَا وَتَوَسَّدَهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَصْحَابَ هٰذِهِ الصُّوَرِ يُعَذَّبُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُقَالُ لَهُمْ اَحْيُوْا مَا خَلَقْتُمْ وَقَالَ اِنَّ الْبَيْتَ الَّذِيْ فِيْهِ الصُّوْرَةُ لَا تَدْخُلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ

(رواہ البخاری و مسلم) مشکوٰۃ شریف ص ۳۸۵)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے (ایک مرتبہ) ایک غالیچہ خرید لیا جس میں تصویریں تھیں جب اس کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو آپ دروازہ پر کھڑے ہو گئے اور اندر داخل نہ ہوئے۔ میں نے آپ کے چہرۂ مبارک پر ناگواری محسوس کی اور عرض کیا یا رسول اللہ میں اللہ کے حضور میں توبہ کرتی ہوں اور اللہ کے رسول سے معافی چاہتی ہوں مجھ سے کونسا گناہ سرزد ہوا؟ آپ نے فرمایا یہ غالیچہ یہاں کیونکر آیا؟ میں نے عرض کیا یہ آپ کے لئے میں نے خریدا ہے تاکہ اس پر تشریف رکھیں اور اس کو تکیہ کی جگہ (بھی) استعمال فرمائیں، آپ نے فرمایا کہ بلاشبہ قیامت کے دن ان تصویر والوں کو عذاب ہوگا اور ان سے کہا جائے گا کہ تم نے جو کچھ بنایا تھا اس میں جان ڈالو اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جس گھر میں تصویر ہو اس میں (رحمت کے) فرشتے داخل نہیں ہوتے۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۳۸۵)

---

۵۲ سورۂ بقرہ ۱۲ ۵۳ ترمذی شریف ۱۲

تشریح

اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوئیں (۱) تصویر والا کپڑا، گدا، غالیچہ، قالین اور دوسری چیزیں مثلاً کیلنڈر، برتن، فرنیچر گھر میں دفتر میں دوکان میں رکھنا حرام ہے۔ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے تصویر والا غالیچہ گھر میں دیکھا تو دروازہ کے باہر ہی کھڑے ہوگئے اور اندر تشریف نہ لائے۔

(۲) یہ بھی معلوم ہوا کہ رحمت کے فرشتے اس گھر میں نہیں جاتے جس میں تصویر ہو، حدیث میں تو مطلق فرشتوں کا ذکر ہے مگر دیگر آیات و احادیث کے پیش نظر علماء حدیث نے بتایا ہے کہ یہاں رحمت کے فرشتے مراد ہیں کراماً کاتبین اور موت کے فرشتے مراد نہیں کیونکہ ان کو حکم خداوندی کی تعمیل کے لئے حاضر رہنا پڑتا ہے البتہ تصویروں سے ان کو بھی ناگواری ہوتی ہے، مگر امتثال حکم کے لئے موجود رہتے ہیں، جو لوگ فرشتوں پر ایمان نہیں رکھتے یا خدائے پاک کی اس معصوم مخلوق کی اذیت کا خیال نہیں کرتے وہی تصویریں گھر میں رکھ سکتے ہیں، اللہ تعالےٰ ان کو ہدایت دے۔

تصویریں، گھر، دفتر، مکان، دوکان میں رکھنا یوں بھی حرام ہے، مگر فرشتوں کو چونکہ ان سے تکلیف پہنچتی ہے اس لئے گناہ اور شدید ہوجاتا ہے، فرشتوں کو جن کاموں سے تکلیف ہو شریعت مطہرہ میں ان سے بچنے کا خاص اہتمام کیا گیا ہے ایک حدیث میں ہے کہ سرور عالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی یہ بدبودار درخت یعنی پیاز کھالیوے ہرگز ہماری مسجد کے پاس نہ پھٹکے کیونکہ اس چیز سے فرشتوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے جس سے انسان دکھ پاتے ہیں[1] (یعنی بدبو فرشتوں کو ناگوار ہے جیسا کہ انسانوں کو بری لگتی ہے۔ لہذا بدبودار چیز کھاکر مسجد میں نہ جاؤ، خواہ وہاں کوئی آدمی بھی نہ ہو کیونکہ فرشتے تو موجود ہیں، بدبو دور ہونے کے بعد جاسکتے ہو) نیز سرور عالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بجز (پیشاب) پاخانہ اور بجز خاص وقت کے ننگے نہ رہا کرو (خواہ تنہائی میں ہو) کیونکہ تمہارے ساتھ وہ مخلوق ہے جو جدا نہیں ہوتی (یعنی فرشتے) ان سے شرم کرو اور ان کا احترام کرو[1]۔ جن چیزوں کی شرعاً ممانعت ہے ان سے شیاطین خوش ہوتے ہیں ان سے خدائے پاک کے معصوم فرشتے کیونکر راضی ہوسکتے ہیں؟ جو لوگ تصویر گھر میں رکھتے ہیں یا اور کسی طرح کے منکرات و فواحش میں مبتلا ہیں شیطان کو خوش کرتے ہیں اور اللہ تعالےٰ اور اس کے پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مقدس فرشتوں کو ناراض کرتے ہیں، کیسی ناسمجھی ہے۔

(۳) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قیامت کے دن تصویر والوں کو عذاب ہوگا اور ان سے کہا جائیگا کہ تم نے جو یہ تصویریں بنائی ہیں ان میں جان ڈالو، یہ حکم بطور سرزنش اور ڈانٹ کے ہوگا، کیونکہ جان تو نہ ڈال سکیں گے ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا کہ جو میری طرح خلقت پیدا کرنے لگے اگر پیدا کرنے کا حوصلہ ہے تو ایک ذرہ یا ایک حبہ یا ایک جو کا دانہ پیدا کرکے دکھائیں یعنی ایک ذرہ بھی وجود میں نہیں لاسکتے ہیں، پھر صورتیں بنانے کے شغل ... میں کیوں لگے ہو۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو صفت خلق میں اللہ تعالےٰ کے مشابہ بنتے ہیں (یعنی تصویریں بناتے ہیں) نیز ارشاد فرمایا کہ ہر مصور کو اس کی بنائی ہوئی صورتوں کے ذریعہ عذاب دیا جائیگا جتنی صورتیں بنائی تھیں ان میں سے ہر تصویر ایک جاندار چیز ہوگی جس کے ذریعہ اُسے عذاب ہوگا، نیز ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن دوزخ

۱؎ مشکوٰۃ شریف ص ۶۸

۱؎ مشکوٰۃ عن الترمذی ص ۲۶۹

سے ایک گردن نکلے گی جس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے دیکھتی ہوں گی اور دو کان ہوں گے جن سے سنتی ہوں گی اور زبان ہو گی جس سے بولتی ہو گی (اور) وہ کہے گی کہ تین طرح کے لوگ میری سپرد کئے گئے ہیں

(۱) ہر ظالم شخص (۲) ہر وہ شخص جس نے اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود بنایا (۳) تصویر بنانے والے لوگ [لہ]

مسئلہ: جس چیز میں جان نہو اس کی تصویر بنانا اور گھر میں رکھنا درست ہے جیسے درخت وغیرہ ہاں اگر کوئی ایسی چیز ہے جو کفر کا شعار ہو تو بے جان کی تصویر سے بھی پرہیز لازم ہے جیسے عیسائیوں کی صلیب وغیرہ۔

مسئلہ: ٹیلیویژن سیٹ استعمال کرنا بھی حرام ہے کیونکہ اس کی وضع ہی تصاویر کے لئے ہے۔

تنبیہ: بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ حدیث میں جس تصویر کشی کی ممانعت ہے وہ ہاتھ سے تصویر بنانے کے متعلق ہے اور کیمرہ سے جو تصویر اتاری جاتی ہے وہ چونکہ ہاتھ سے نہیں بنائی جاتی اس لئے وہ جائز ہے، یہ خیال غلط اور فاسد ہے شیطان کی سجھائی ہوئی دلیل ہے۔ اصل مقصد ہے تصویر بنانے کی حرمت خواہ کسی بھی آلہ سے بنائی جائے، آجکل تصویریں رکھنا اور مورتیوں سے گھروں اور بنگلوں اور موٹروں کو سجانا ایک فیشن ہو گیا ہے اور تہذیب و ثقافت کا جزو بنا لیا گیا ہے۔ آرٹ کے نام جہاں بہت سے گناہ زندگی میں داخل ہو گئے ہیں ان میں تصاویر بنانا، سجانا، دیکھنا دکھانا بھی شامل ہے، جہاں کسی کے پاس چار پیسے ہوئے بناوٹ سجاوٹ۔ کیمرہ، تصویر، مورتی اور مجسمہ کی طرف متوجہ ہوا، ہزار سمجھاؤ کہ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی ہے مگر کان دھرنے کو تیار نہیں، جب یورپ و امریکہ کو پیشوا بنا لیا تو مکہ مدینہ کا رخ کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہو گی، یہ سید ہیں، یہ علوی ہیں یہ صدیقی ہیں یہ فاروقی یہ عثمانی ہیں، یہ زبیری یہ چشتی ہیں یہ قادری، بس نام نمود کی نسبتوں تک ہیں معاشرہ میں اور گھر بار کے رہن سہن میں تو نصرانی معلوم ہوتے ہیں، الماری میں ایک کتا رکھا ہوا ہے، موٹر کار میں گڑیا جھول رہی ہے سامنے کسی کا فوٹو آویزاں ہے۔ دفتر میں کسی کا اسٹیچو رکھا ہوا ہے، اللہ کی پناہ کیا مسلمان ایسے ہی ہوتے ہیں جنھیں فرمان رسولؐ کی ذرا پرواہ نہیں اور جن کو رحمت کے فرشتوں سے بیر ہے ان کا گھر میں آنا پسند نہیں۔

بعض لوگ بچوں سے مرعوب ہو جاتے ہیں اچھے خاصے نمازی واعظ وصوفی گھرانوں میں بچوں اور بچیوں کے کھیلنے کے لئے گڑیاں اور تصویریں اور مورتیاں خرید کر لائی جاتی ہیں، بچے کی خواہش ہے اس کا دل برا نہ ہو مگر مدنی آقا صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے قلب اطہر کو رنج پہونچ جائے گا اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ فاللہ المستعان وبیدہ التوفیق۔

[لہ] یہ سب احادیث مشکوٰۃ شریف باب التصاویر ص ۳۸۵ اور ۳۸۶ سے لی گئی ہیں ۱۲

آئندہ شمارہ میں

جہاد ستمبر ۱۹۶۵ء کے بارے میں کئی خصوصی فیچر ملاحظہ فرمائیے جس میں ملک کے ممتاز علماء اہل قلم، مجاہدین اور شعراء حصہ لے رہے ہیں۔

——— ادارہ

اس مرتبہ طلباء کے صفحات شامل نہ ہو سکے۔

نقد و نظر

(تبصرہ کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے ارسال فرمائیے)

انوار بردہ شرح قصیدہ بردہ

شارح :۔ جناب پروفیسر فضل احمد صاحب عارف !

ناشر : علمی کتاب خانہ اردو بازار لاہور۔

قیمت :۔ تین روپے (مجلد) صفحات تقریباً ۲۴۰ ،

کتابت وطباعت :۔ غیر معیاری جس نے تصنیف کے باطنی حسن کو بری طرح مجروح کر دیا ! زیر تبصرہ کتاب مشہور قصیدہ بردہ کی شروحات میں ایک قابل قدر اضافہ ہے اجو علامہ پروفیسر فضل احمد صاحب عارف کی علمی کاوش کا قابل تعریف نمونہ ہے !

کتاب پیش لفظ دیباچہ اور تقدیم، کے علاوہ چار ابواب پر مشتمل ہے !

پہلا باب :۔ صاحب قصیدہ کے تعارف و حالات میں

دوسرا باب :۔ قصیدہ بردہ کے تعارف و خصوصیات میں

تیسرا باب :۔ قصیدہ کے شارحین کے حالات، تذکرہ و تبصرہ میں۔ اور

چوتھا باب :۔ قصیدے کا متن اور شرح !

قصیدہ بردہ کی جتنی تعریف علماء فضلاء اور اہل دل اللہ والے بیان فرما چکے ہیں، ان کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاعر نے قلب کی زبان سے اپنی محبت کی روداد بیان کی اس کو رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پیش کیا اور شرف قبولیت سے نوازا گیا !

غالباً اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ الہامی کتابوں کے بعد جتنی شرحیں قصیدہ بردہ کی لکھی گئیں کسی اور کتاب کی نہیں لکھی گئیں ! پروفیسر صاحب موصوف نے قصیدۂ بردہ کی شرح لکھ کر عاشقان رسول میں اپنا جو مقام پیدا کر لیا ہے وہ لائق تبریک ہے موصوف نے ہر لفظ کی تحقیق کے ساتھ سلیس ترجمہ و مطلب بیان کرنے کا جو انداز اختیار فرمایا ہے اس سے عام و خاص یکساں فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ کاش عشق رسول کی یہ قیمتی دستاویز، آئندہ اشاعت میں کتابت و طباعت کی بدصورتی سے پاک کر کے منظر عام پر لائی جائے !

(نعمانی)

حکمت استخارہ

مصنف :۔ پروفیسر فضل احمد صاحب عارف

ناشر :۔ مکتبہ رشیدیہ میاں چنوں ضلع ملتان

قیمت :۔ گلیز ۵۶ پیسے، رف ۳۷ پیسے (صفحات ۵۲)

کتابت وطباعت :۔ مناسب !

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے، ادعونی استجب لکم (مجھ سے بات کرو میں تمہاری بات کا جواب دوں گا) اس ارشاد ربانی کے پیش نظر اور لغوی معنی کے اعتبار سے استخارہ کا مطلب اللہ تعالےٰ سے اپنے کاموں میں مشورہ طلب کرنا جو اللہ تعالیٰ

کو مانتے نہیں یا مانتے تو ہیں مگر جانتے نہیں ان کی سمجھ میں تو ممکن ہے اللہ سے مشورہ کرنے والی بات، نہ آئے!

مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ما خاب من استخار ولا ندم من استشار (جس نے استخارہ کیا وہ ندامت نہیں اٹھائے گا۔ اور جس نے (معاملات میں) مشورہ کیا وہ ناکام نہ ہوگا) اور آپؐ کے طرز عمل کو جو حرز جان بنالے وہ استخارہ کی ضرورت و اہمیت سے انکار نہیں کر سکتا

فاضل مصنف نے زیر تبصرہ کتاب میں استخارہ سے متعلق تمام گوشوں پر مؤثر انداز میں سیر حاصل گفتگو کی ہے! استخارہ کی اہمیت سمجھنے اور اس کا مسنون طریقہ معلوم کرنے اور بزرگان دین کے استخاروں سے واقفیت حاصل کرنے کی خواہش رکھنے والے مسلمانوں سے ہم اس کے مطالعہ کی سفارش کرتے ہیں!

(نعمانی)

نسوانی امراض اور ان کا سد باب

مرتبہ: حکیم محمد اقبال حسین صاحب ایم اے
ناشر: صفیہ اکیڈیمی پیر الٰہی بخش کالونی کراچی ۵

کتابت، طباعت معیاری۔

ملنے کا پتہ: جنرل بک ڈپو۔ فریر روڈ کراچی ۱

سفید کاغذ ۲۰×۳۰/۱۶ سائز پر چھپی ہوئی ۸۲ صفحہ کی اس کتاب کی قیمت دو روپے ہے جو ہمارے خیال میں نامناسب ہے!

زیر تبصرہ کتابچہ حکیم صاحب موصوف کے ہمدرد صحت کراچی میں شائع شدہ مفید و اہم مضامین کا مجموعہ ہے، حکیم صاحب کہنہ مشق طبیب حاذق ہیں! آپ نے اس موضوع پر قلم اٹھا کر نسوانی دنیا پر یقیناً احسان فرمایا ہے بشرطیکہ مغرب زدگی، اور فیشن، ان کو اس سے استفادہ کرنے کا موقع دے!

طب مغرب کی چکاچوند نے، طب مشرق کو جس طرح پس پشت ڈال دیا ہے وہ صحت عامہ کے لئے ایک المیہ سے کم نہیں!

مشرقی طب کے بہی خواہوں کا یہ فرض ہے کہ ڈاپی بات کو متواتر تسلسل اور بلند آہنگی کے ساتھ موجودہ ناقدری کے علی الرغم۔ شدومد کے ساتھ دُہراتے رہیں، تاآنکہ بہرے سننے لگیں، اندھے دیکھنے لگیں اور فریب خوردگی کا پردہ چاک ہو جائے!

اس اظہار خیال کے ساتھ ہم لکھی پڑھی خواتین سے اس کتاب کے مطالعہ کی درخواست کرتے ہیں۔

(نعمانی)

تسہیل الاملا

مرتب: بالتیج رام ایم اے، رندھیر کالج کپور تھلہ
نظر ثانی و اضافہ اعراب: منشی عبدالقدیر۔

ناشر: کتب خانہ انجمن ترقی اردو جامع مسجد دہلی ۶

۲۰×۳۰/۱۶ سائز: ۱۱۲ صفحات سفید کاغذ قیمت ایک روپیہ پچاس پیسے

ہندوستان میں اردو زبان کے ساتھ جو سلوک وہاں کے تنگ نظر حکمران اور اکثریتی فرقہ کر رہا ہے وہ بہت افسوس ناک ہے مگر اس سب کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ اردو زبان اپنی سادگی، شیرینی اور حسن و جمال کے بل بوتے پر دشمنوں کے علی الرغم نہ صرف زندہ ہی ہے بلکہ اس کا مستقبل بھی روشن و تابناک ہے، البتہ ہند و پاک دونوں جگہ اردو زبان کو یہ شکوہ ضرور ہے کہ اس کے بولنے اور لکھنے والے دانستہ یا نادانستہ اس کا حلیہ بگاڑتے رہتے ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب اسی لئے لکھی گئی ہے کہ اردو لکھنے والے بولنے والے صحیح تلفظ سے آگاہ ہوں اور اپنی تحریر و تقریر میں غلط تلفظ اور نادرست املاء سے بچیں، بے پڑھے لکھے تو بیچارے معذور ہیں، ہم نے تو دانشوروں اور بزعم خود تعلیمیافتہ اصحاب علم کو دیکھا اور سنا ہے کہ وہ تقریر و تحریر میں املا و تلفظ کی ایسی ایسی غلطیاں کرتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔

یہ کتاب گو طلبہ کے لئے لکھی گئی ہے مگر جس انداز میں اس کو مرتب کیا گیا ہے اس سے ہر پڑھا لکھا فائدہ اٹھا سکتا ہے، جن الفاظ کے املا میں بالعموم غلطیاں کی جاتی ہیں ایسے الفاظ کو واضح ہدایات اور اشارات کے ساتھ جمع کر کے، ان کے سامنے ان کے معنی بھی لکھدیئے گئے، اور ان الفاظ پر اعراب دیدیئے گئے ہیں

تاکہ صحیح تلفظ معلوم ہو جائے، کتاب عام پڑھے لکھے حضرات کے لئے عموماً اور طلبا کے لئے خصوصاً مفید ہے! افسوس ہے کہ انجمن ترقی اردو دہلی کے معیار حسن کتابت و طباعت سے یہ کتاب عاری ہے! (نعمانی)

شمائل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

ناشر:- صفیہ اکیڈیمی، کراچی ۵
ملنے کا پتہ:- جنرل بک ڈپو فریئر روڈ کراچی، ۲۰×۳۰/۱۶ سائز ۴۴ صفحات، سفید کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ۔ قیمت ایک روپیہ۔

زیر تبصرہ کتاب حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی فارسی تصنیف سرور المحزون کا ترجمہ ہے، (بہتر ہوتا کہ مترجم کا حوالہ دیدیا جاتا)

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو علوم نبوت میں سے جو حصہ وافر عطا ہوا تھا، اور علم و عمل کی جو دولت آپ کو ملی تھی اس کو آپ نے اپنی مختلف تصانیف میں منتقل فرما کر مسلمانوں کے استفادہ و افادہ کا بندوبست فرمایا، یوں تو آپ کی ہر تصنیف اپنی جگہ بجائے خود نہایت اہم اور مفید ہے اور بے شمار اہل علم ان سے استفادہ و رہنمائی حاصل کر کے اپنی زندگی سنوار چکے ہیں، مگر زیر تبصرہ کتاب خاص طور پر عوام کے لئے بہت ہی مفید ہے! آقائے کون و مکان اور باعث تخلیق عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی پاک سیرت اور حیات طیبہ کے جو پہلو ایک عام مسلمان کی زندگی سنوارنے میں کام آسکتے ہیں اور جن کا جاننا ہر مسلمان کے لئے لازم ہے، ان سب کو آپ نے اس مختصر کتاب میں جمع فرما کر امت پر احسان فرمایا ہے! ہر مسلمان اپنے آقا صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور اخلاق عالیہ سے واقف ہونا سعادت ایمانی تصور کرتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ پر جو تفصیلی اور ضخیم کتب مدون و مرتب کی گئی ہیں ان کے مقابلہ میں یہ رسالہ بقامت کہتر تو ہو سکتا ہے لیکن بقیمت کہتر نہیں ہے، چھوٹے بچوں کے تعلیمی نصاب میں اسکو شامل کرنا انشاء اللہ مفید ہوگا! (نعمانی)

فریب خوردہ شاہین

مرتبہ مولانا ابو احمد عبد اللہ صاحب۔
ناشر: ناظم نشر و اشاعت ادارہ دار العلوم نعمانیہ گوجرانوالہ۔ رف کاغذ۔ ۲۰×۳۰/۱۶ سائز کے ۴۰۳ صفحات، کتابت، طباعت عمدہ۔ قیمت درج نہیں۔

زیر تبصرہ کتاب سلسلہ تبلیغ و اشاعت کا ۴۷ واں نمبر ہے (غالباً اسی لئے قیمت درج نہیں) کتاب مرتب کرنیکا سبب مرتب کے الفاظ میں یہ ہے:

"یورپین مغربی تہذیب و تمدن سے اثر پذیر مرعوب فرزندان اسلام کی غلط فہمیاں رفع کرنے اور فریب نفسی پر متنبہ کرنے کے لئے یہ مجموعہ —— مرتب کیا جا رہا ہے۔

جس میں مغربی قوموں کی اسلام سے دشمنی، اور اسلام و بانی اسلام کے متعلق ان کی خطرناک چالوں اور سازشوں کو ظاہر کیا جا رہا ہے۔ نیز ان مغربیوں نے اپنی قوم اور دیگر اقوام کو اسلام جیسے حق اور عالمگیر مذہب سے متنفر، بدظن اور اس کو چھپانے کی جو کوششیں کی ہیں اور جو انھوں نے اس سلسلہ میں قلابازیاں کھائی ہیں، ان سب باتوں کو کھول کر تاریخی، علمی اور عقلی معیار سے واشگاف کیا جائیگا۔"

اور ۴۰۳ صفحات میں مرتب موصوف نے اس موضوع پر دل کھول کر بحث کی ہے، اور ہر غیر جانبدار قاری اس بات کا اقرار کریگا، کہ مرتب محترم نے بحث کے تمام پہلوؤں کا بخوبی احاطہ کیا ہے۔ اور کوئی گوشہ تشنہ نہیں رہنے دیا!

سائنس و مذہب سے دلچسپی رکھنے والے علماء، طلبا کے لئے اس میں بہت سے عبر و بصائر پوشیدہ ہیں!

موضوع کی اہمیت، ضرورت اور دلچسپی کے پیش نظر ہم اس کے مطالعہ کی سفارش کرتے ہیں۔

(نعمانی)

قلمی مکتوب و تبلیغی تقریر

ناشر: کتب خانہ انجمن ترقی اردو جامع مسجد دہلی۔

سائز ۲۰×۳۰/۱۶ ۳۲ صفحات عمدہ کاغذ، بہترین کتابت وطباعت قیمت ۲۰/ پیسے۔

یہ کتابچہ، حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تبلیغی تقریر پر مشتمل ہے جو آپ نے ۱۹۵۷ء میں مدراس کے تبلیغی اجتماع میں فرمائی تھی۔

شروع میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مکتوب گرامی کا عکس بھی شامل ہے، جسے متوسلین بطور تبرک لپنے پاس رکھنا پسند کریں گے۔

یوں تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر و تقریر پر مشتمل مضامین کے کئی مختصر و ضخیم مجموعے شائع ہو چکے ہیں مگر یہ مختصر کتابچہ اس لئے اور بھی اہمیت اختیار کر جاتا ہے کہ یہ مولانا رح کی آخری تقریر ہے، اس کے بعد آپ واصل بحق ہو گئے۔ اور امت مسلمہ آپ کے فیوضات سے دائماً محروم ہو گئی!

(نعمانی)

الفضائل والاحکام للشہور والایام

مصنف: مولانا مفتی عبدالکریم صاحب گمتھلوی رح۔

ناشر: مکتبہ تھانوی، بندر روڈ، کراچی۔

سائز ۲۰×۳۰/۱۶ ۹۶ صفحات سفید کاغذ، کتابت، طباعت عمدہ، قیمت ۱/۱۲

مولانا عبدالکریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ عرصہ دراز تک خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں حکیم الامت حضرت تھانوی رح کے زیر نگرانی، افتا و تصنیف کی خدمات انجام دیتے رہے۔

زیر تبصرہ کتاب جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اسلامی مہینوں کے فضائل اور احکامات کے مختصر مگر ضروری اور مفید مضامین پر مشتمل ہے۔

جن میں اسلامی مہینوں کے فضائل و برکات کے ساتھ ساتھ ان غیر اسلامی رسومات و روایات کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔ جو مسلمانوں میں جہالت یا کسی خاص گروہی مصلحت کی بنا پر راہ پا گئی ہیں۔

جو مسلمان اپنے ماہ و سال، عین منشائے اسلام کے تحت گذارنے کے خواہشمند ہیں ان کے لئے اس کتاب کا مطالعہ بے حد ضروری اور مفید ہے۔ (نعمانی)

تذکرہ قلندر زماں

مؤلف: حسن عزیز جاوید رحمانی

ناشر: مکتبہ قدسی اے ایم ۵، فریر روڈ کراچی ۱۲

سائز ۲۰×۳۰/۱۶ ۱۳۶ صفحات، سفید کاغذ کتابت، طباعت روشن، قیمت ۲/۰

قلندر کا لفظ سن کر آجکل کے ذہن میں جو تصور ابھرتا ہے حقیقت سے اس کا کوئی واسطہ نہیں، قلندر کا مفہوم میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ وہ برگزیدہ ہستی جو ماسوا اللہ سے بے نیاز و بے تعلق ہو، اور اپنی پوری زندگی اپنے مالک و رب کے سپرد کر چکا ہو!

زیر تبصرہ کتاب جناب ناصر الدین محمد اسد الرحمٰن قدسی مدظلہٗ کا ایک سوانحی خاکہ ہے، جس میں موصوف کے حالات ریاضت و مجاہدات، آپ کے اسفار، اخلاق و عادات اور آپ کی تعلیمات وغیرہ کو اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور اسی میں اس کی تفصیل بھی ہے کہ آپ کو قلندر زماں کا خطاب کب، کس طرح اور کن کی جانب سے عطا ہوا۔

کتاب پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی پوری زندگی، اہل اللہ کے نقش قدم پر گذری ہے!

اللہ کے نیک بندوں کے حالات و محبت کے متلاشی مسلمان اس کتاب کے مطالعہ سے اپنے قلب کی تسکین کا سامان مہیا کر سکتے ہیں! گو اس اختصار سے تشنگی رفع نہیں ہوتی تاہم جتنا کچھ بیان کر دیا گیا ہے اگر اسی کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنا لیا جائے تو امید ہے نافع اور مفید ہوگا۔

(نعمانی)

معاشرہ میں خواتین کا رتبہ
ڈاکٹر کمال عمر صاحب کے

انگریزی پمفلٹ "سوشل سٹیٹس آف ویمن" کا اردو ترجمہ ۲۰×۳۰/۱۶ سائز ۳۸ صفحات، رف کاغذ جنرل بک ڈپو فریئر روڈ کراچی ملا سے مفت حاصل کیا جا سکتا ہے! "اسلام کے بتائے ہوئے طریقوں پر عمل کرنے ہی سے خواتین کا رتبہ معاشرہ میں ثابت اور قائم ہوتا ہے، اور انہیں ان کے حقوق حاصل ہو جاتے ہیں، باقی دوسرے جو بھی طریقے رائج ہیں خواہ مسلموں میں خواہ غیر مسلموں میں وہ سب خواتین کے حقوق کو غصب کرنے والے ہیں گو ظاہراً وہ بہت خوشنما معلوم ہوں"

اسی ادعا کو قرآنی آیات سے دلنشین انداز میں ثابت کیا گیا ہے! باوقار اسلامی زندگی گذارنے کی خواہشمند عورتوں کو اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔

(نعمانی)

سنۃ الانبیاء علیہم السلام
مرتب:- ابوالمعالی صاحب
شائع کردہ:- دارالارشاد کیمبل پور

۲۰×۳۰/۱۶ سائز ۳۲ صفحات، سفید کاغذ، کتابت طباعت عمدہ، قیمت ۵۰ پیسے۔ زیر تبصرہ کتاب میں ڈاڑھی کی متعلق مرتب نے بڑی جامع اور مفید بحث کی ہے! اور جو مسلمان یہ خیال کرتے ہیں کہ ڈاڑھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی "سنت عادیہ" ہے، اس لئے اس کی مقدار متعین کرنا اور اس پر زور دینا درست نہیں، ان کے اس غلط خیال کو دلائل و شواہد سے بہت اچھے پیرایہ میں بیان کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول، فعل یا عمل کی دو حیثیتیں بالکل نہیں ہیں، آپ کی پوری زندگی اور اس کا ہر ہر گوشہ وحی الٰہی کے تابع ہے، اور وہی شریعت ہے اور عام مسلمان کے لئے حجت و دلیل ہے!

رسالہ گو مختصر ہے مگر اپنے موضوع کے لحاظ سے بہت اہم ہے اس لئے ہر پڑھے لکھے مسلمان کو اس کا مطالعہ کرنا ہمارے خیال میں مفید ہوگا۔

(نعمانی)

(بقیہ مضمون "کویت")

ہوئے پھر ایک بار اہم کردار ادا کیا۔ یہ قرضہ مصر کو نہر سوئیز کے ایک سال تک بند رکھنے سے ہونے والے نقصان کو پورا کرنے کے لئے دیا گیا تھا۔ اور اس کی وجہ سے اسرائیل اور اس کے مددگاروں کو خاصی زک اٹھانی پڑی تھی۔ اور جب ہی سے کویت خرطوم کی کانفرنس میں کئے گئے فیصلوں کو عملی جامہ پہنانے کی پوری کوشش کر رہا ہے۔ اسی سلسلے میں اس نے سرکاری طور پر اقوام متحدہ کی جنگ بندی کو ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ اور اسی طرح اس نے اسرائیل کے ساتھ بات چیت کرنے سے انکار کر دیا تھا اور اپنے آپ کو تل ابیب Tel Aviv کے ساتھ مستقل حالت جنگ میں تصور کر رہا تھا کویت کے نظریہ کے مطابق جون ۱۹۶۷ء کی جنگ عربوں کی تاریخ میں محض تازہ دم ہونے کے لئے پیچھے ہٹنے کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس بات کا اظہار کرتے ہوئے کویت کے وزیر اعظم شیخ جابر الاحمد نے جنگ کے چند ہی دن بعد کہا کہ "عرب قوم اپنی سابقہ فاتحانہ روایات کو برقرار رکھنے کے لئے طویل جنگ کرنے کے پورے پورے وسائل رکھتی ہے۔ دنیا بھر کی اقوام کو جان لینا چاہئے کہ ہم مالی اور نفسیاتی اعتبار سے آخری اور ناگزیر جنگ کے لئے پوری طرح ہتھیاروں سے لیس ہیں"۔

۱۴۵ کرم فرما

البلاغ کے ۱۴۵ کرم فرماؤں نے البلاغ کے ساتھ جو سلوک فرمایا ہے افسوس ہے کہ وہ دین و دیانت اور اخلاق کسی بھی صورت جائز تصور نہیں کیا جاسکتا، ہم نے چندہ ختم ہونے کی اطلاع فرداً فرداً بھی تمام حضرات کو بھیجی، اور البلاغ میں بھی علان کیا۔ اور پھر اسی پر بس نہ کر کے دو ماہ مزید انتظار کیا، کہ ممکن ہے اس عرصہ میں ترک تعلق کی اطلاع دیدی جائے ——— اور اس دوران رسالہ برابران کی خدمت میں بھیجا جاتا رہا۔ آخر دو ماہ کی خاموشی کو نیم رضا سمجھ کر، اور یہ خیال کر کے کہ دو ماہ تک رسالہ وصول کر لینے کا لازمی مطلب یہ ہے کہ البلاغ سے رشتہ تعلق استوار رکھنا انہیں منظور ہے، سب حضرات کو ربیع الاول کا رسالہ وی پی کے ذریعہ بھیجا گیا، مگر ۱۴۵ کرم فرماؤں کی کرم فرمائی اور ستم ظریفی ملاحظہ ہو، کہ انھوں نے بلا اس کا خیال کئے کہ ہمارے اس طرز عمل سے ایک خالص دینی ادارہ کو کتنا مالی نقصان ہوگا، وی پی واپس کر دیئے! اور اس طرح وہ پہلے سے خسارہ برداشت کرنے والے دینی پرچہ کو مزید مالی دشواریوں میں مبتلا کرنے کا سبب بنے!

آخرت کی بات پر بس پر یقین رکھنے والے مسلمانوں کا یہ طرز عمل! آخر اسے کیا کہا جائے ——— کیا سمجھا جائے ——— انا للہ وانا الیہ راجعون!

ہم اُن حضرات کے بدل ممنون ہیں جنھوں نے

——— وی پی وصول فرمائی،

——— بذریعہ منی آرڈر اپنا چندہ عنایت فرمایا۔ یا۔

——— اپنی مجبوری کے پیش نظر آئندہ ترک تعلق کی اطلاع دیدی۔

اس سلسلہ میں ہم سے بھی کوتاہی اور غلطی ہوئی، کہ بعض حضرات کا چندہ وصول ہونے کے باوجود ان کو وی پی چلا گیا، اگرچہ ہماری اس غلطی کو بھی ان حضرات نے اپنے اخلاق کریمانہ سے پذیرائی بخشی، مگر ہم اس غلطی پر بدل معذرت خواہ ہیں، اور اظہار تاسف وندامت کرتے ہیں۔

اور یہ ختم مدت خریداری کا سلسلہ اب ہر ماہ چلے گا۔ اور ہم اپنے کرم فرماؤں کو ختم مدت کے بعد وی پی بھیجیں گے، لہٰذا ایسے تمام حضرات کی خدمت میں گزارش ہے کہ اگر انہیں آئندہ خریداری منظور نہ ہو تو وہ ہمیں مطلع فرمادیں۔

اور اگر وہ ایسا نہیں کرتے اور انہیں ایک دینی وتبلیغی ادارہ کو نقصان پہنچانے ہی میں راحت ملتی ہے۔ تو پھر،

ع تو تیر آزما، ہم جگر آزمائیں!

بعض حضرات یہ خیال فرماتے ہیں کہ ڈاک خانہ وی پی کی اطلاعی رسید دے کر جب تک ہم وی پی نہ چھڑائیں اسے واپس نہیں کرے گا، حالانکہ ڈاکخانہ زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ انتظار کرکے بغیر مزید اطلاع دیئے واپس کر دیتا ہے۔

اس لئے آپ کو جوں ہی اطلاع ملے آپ بلا تاخیر وی پی وصول فرمالیں!

ہمیں اسی ماہ ایک صاحب کا منی آرڈر وصول ہوا ہے۔ کوپن پر رسالہ جاری کرنے کی ہدایت ہے مگر نہ انھوں نے اپنا نام تحریر فرمایا نہ پتہ! اور خریداری نمبر لکھنے کی عادت تو ابھی بہت سے قدیم حضرات نے بھی نہیں ڈالی۔ اس سلسلہ میں آپ کو ہم پر رحم نہیں آتا تو خود ہی پر رحم فرمایئے، آپ کو جواب نہ ملے، یا فرمائش کی تکمیل نہ ہو، تو اذیت تو ہوتی ہی ہو گی، آپ کی ذرا سی توجہ اس کا سد باب کر سکتی ہے، مگر بڑے بڑے "مسائل" کو حل کرنے میں منہمک ہماری قوم اللہ جانے یہ "چھوٹے چھوٹے" مسئلے نظر انداز کرنے پر کیوں تلی ہوئی ہے! (نعمانی)

پبلیشر: مفتی محمد شفیع۔ دفتر البلاغ کراچی نمبر ۱۴